جلد ۱۷ — عدد ۹-۱۰

ولقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ میثاق لاہور

اکتوبر ۱۹۷۰ء

اس شمارے میں ایک اہم مضمون

پاکستان کی موجودہ سیاسی کشمکش اور اسلام

از قلم ـ ڈاکٹر اسرار احمد

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم۔بی۔بی۔ایس (پنجاب) ایم۔اے اسلامیات (کراچی)

یکے از مطبوعات

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ۔اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور۔ 1 (فون 69522)

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

هم سے طلب فرمالیں

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی

(۱)

اسلام کی نشاۃ ثانیہ ۔ کرنے کا اصل کام

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد —— قیمت ایک روپیہ

(۲)

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد —— قیمت ایک روپیہ

(۳)

اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار

تالیف : ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) ایم اے، پی ایچ ڈی۔ڈی لٹ

قیمت قسم اعلیٰ ڈیڑھ روپیہ، قسم ادنیٰ ایک روپیہ

(۴)

قرآن اور امن عالم

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد —— قیمت پچاس پیسے

(۵)

قرآن اور پردہ

تالیف : مولانا امین احسن اصلاحی —— قیمت ساٹھ پیسے

: ٥ ٥ :

دار الاشاعة الاسلامیة لاهور

کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاهور - ۱ (فون 69522)

دعوتِ توثیقِ عہدِ الست و تجدیدِ میثاقِ ایمان کا علمبردار

ماہنامہ
میثاق
لاہور

• جلد ۱۷ • شمارہ ۱۰۹ ——— بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۰ء

زیرِ سرپرستی : مولانا امین احسن اصلاحی ★ مدیرِ اعزازی : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

اعتذار

بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر ستمبر کے شمارے کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ زیرِ نظر شمارے کو ستمبر اکتوبر کے مشترکہ شمارے کی حیثیت سے پیش کیا جائے، گویا میثاق کا آئندہ شمارہ نومبر کا ہوگا جو انشاء اللہ بروقت حاضرِ خدمت ہو جائے گا۔

مستقل خریداروں کی خدمت میں ہم ستمبر کی اشاعت کے عوض ان کی پسند کے مطابق "اسلام کی نشاۃ ثانیہ"، "قرآن مجید کے حقوق" یا "اسلامی تحقیق" میں سے کوئی ایک کتابچہ پیش کر دیں گے۔ خریدار حضرات ہمیں اپنی پسند سے جلد مطلع فرما دیں۔ بصورتِ دیگر ہم از خود کوئی کتابچہ ارسال کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے :—

مینیجر "میثاق"

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ ——— چندہ سالانہ : دس روپے

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دار الاشاعت الاسلامیہ

کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۱۲ : فون : ۶۹۵۲۲

فہرست مضامین

★ تذکرہ و تبصرہ ——— اسرار احمدؒ ۳
★ پاکستان کی موجودہ سیاسی کشمکش اور اسلام ——— اسرار احمدؒ ۷
● پاکستانی سیاست کا دورِ جدید اور ہوا کا نیا رُخ ——— ۹
● عوامی ایجی ٹیشن سے دوسرے مارشل لا تک ——— ۱۸
● جمہوریت، سوشلزم اور اسلام ——— ۲۹
★ افادات فراہیؒ
● دین کا نظام - (۲) ——— ترجمہ: خالد مسعود ۴۱
★ تدبّر قرآن ——— مولانا امین احسن اصلاحی
● تفسیر سورۂ اعراف (۵) ——— ۴۹
★ تاریخ تصوف اسلامی ——— پروفیسر یوسف سلیم چشتی
● خلاصۂ مضامین کتاب اللمع (۱) ——— ۶۷
★ افکار و آراء
● برائے توجہ زعمائے جمعیت علمائے اسلام ——— ۷۵
● 'نقشِ غزل' کی تکمیل کی فرمائش ———

راولپنڈی اور اسلام آباد
میں دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور کے سول ایجنٹ
غزنوی ٹریڈنگ کارپوریشن صدر

اسرار احمد　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

ہم معذرت خواہ ہیں کہ 'میثاق' کی اشاعت پھر بے قاعدہ ہو گئی۔ بہت عرصے کے بعد ایک اگست کا شمارہ بروقت شائع ہوا تھا اور خیال تھا کہ اب تسلسل قائم رہے گا۔ لیکن پھر کچھ حوادث ایسے پیش آ گئے کہ مجبوراً ستمبر کی اشاعت حذف کرنی پڑی۔ آئندہ کیا صورت رہے گی؟ اس کا جواب مشکل ہے البتہ یہ تسلیم کرنے میں راقم الحروف کو کوئی تامل نہیں ہے کہ 'میثاق' کے جاری رکھنے کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ راقم کی ہمت جواب دے رہی ہے بلکہ بوجوہ ارادہ بھی مضمحل ہو رہا ہے ——— باقی ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا!

گذشتہ شمارے میں ہم نے 'اسلام اور پاکستان' کے عنوان سے 'میثاق' کے جو چند پرانے اداریے شائع کئے تھے انہیں قارئین 'میثاق' کے حلقے میں بالعموم بہت پسند کیا گیا اور ان سے نہ صرف یہ کہ ماضی کی بہت سی یادیں تازہ ہو گئیں بلکہ بہت سے حضرات کے لئے تو یہ مضمون نہایت مفصل 'بازخوانی' کی تحریک بن گیا۔ چنانچہ 'میثاق' کے ایک قاری اور راقم کے ایک نہایت پرانے ساتھی نے تحریر کیا کہ:

"اس دفعہ 'میثاق' میں "تذکرہ و تبصرہ" کے تحت گذشتہ مضامین یکجا آ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نئے ہوں جیسے پہلے پڑھے ہی نہ تھے ——— ان سے مزید مطالعے کی تحریک ہوئی۔ چنانچہ پہلے 'اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام' پڑھا۔ پھر اسی ترتیب میں 'تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ' پڑھ ڈالی ——— حتیٰ کہ 'تعبیر کی غلطی' بھی پوری دیکھ گیا ....! غرض کہ خوب 'بازخوانی' ہوئی ..."

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حال کے بہت سے معاملات کی الجھی ہوئی ڈوروں کے سرے ماضی کی یادداشتوں ہی میں تلاش کئے جا سکتے ہیں اور جب تک ان سروں کو قابو میں نہ لایا جائے الجھاؤ کا سلجھانا

ممکن نہیں ہوتا۔

زیر نظر شمارے میں بھی ہم جنوری تا مئی ۱۹۶۹ء کے اداریوں کے اقتباسات پر مشتمل تین مضامین پیش کر رہے ہیں جن سے اس وقت کی الجھی ہوئی سیاسی صورت حال کے تجزیے اور فہم میں انشاء اللہ بہت مدد ملے گی اور بہت سے معاملات و مسائل اپنے اصل پس منظر (PERSPECTIVE) میں سامنے آ سکیں گے ——— ع "گر قبول افتد زہے عز و شرف!"

پاکستان کے سیاسی حالات نے اواخر ۱۹۶۸ء سے جو پلٹا کھانا شروع کیا تھا اس کی تیزی اور تندی کو تو اگرچہ سابق صدر ایوب اور حالیہ صدر یحییٰ کی حکمت عملی نے بہت حد تک روک دیا تاہم وہ تبدیلی اندر ہی اندر دھیمی چال اور مدھم آواز کے ساتھ مسلسل جاری ہے اور اس کے اثرات صرف سیاسی میدان ہی تک محدود نہیں بلکہ ہماری اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ اس سے تدریجاً متاثر ہو رہا ہے، حتیٰ کہ صرف دو پونے دو سال میں حالات اس قدر بدل چکے ہیں کہ پہلی بہت سی باتیں بالکل بھولی بسری یادیں معلوم ہوتی ہیں ——— اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان دو سالوں میں ہم کم از کم بیس سال کی مسافت قطع کر آئے ہیں۔

دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر ——— صرف "مذہبی سیاست" کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اواخر ۱۹۶۸ء سے ماقبل اور مابعد کے حالات میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔ اور اس کے مقدمات و مبادی اور صغریٰ کبریٰ سمیت ساری منطق تبدیل ہو گئی ہے۔

پاکستان کے پہلے اکیس سالوں کے دوران میں ہماری مذہبی سیاست میں کامل اتحاد اور اتفاق کا سماں بندھا رہا اور مولانا مودودی، مولانا تھانوی یہاں تک کہ مفتی محمود اور مولانا ہزاروی[1] ——— ایک ہی راگ الاپتے اور ایک ہی منطق کے چوکھٹوں سے مذہبی سیاست کی ناؤ کھیتے رہے۔

اس منطق کا صغریٰ کبریٰ یہ تھا کہ ——— (i) پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے ——— اور (ii) پاکستان کے عوام کی ایک عظیم اکثریت (نوے سو ننانوے فی ہزار کی حد تک!) اسلام ہی کی فدائی اور شیدائی ہے اور اسلامی قانون و دستور ہی کا نفاذ چاہتی ہے ——— (iii) صرف ایک "برسر اقتدار طبقہ" ہے جو قوم کے اس ارادے کی راہ میں مزاحم ہے۔ اور ملک کو دستوری اعتبار سے لادینیت اور تہذیبی و اخلاقی

---

[1] غور فرمایئے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر یہ کس قدر عجیب نظر آتا ہے کہ کبھی کسی مرحلے پر مولانا مودودی اور مولانا ہزاروی ایک ہی کشتی میں سوار رہے ہیں اور دونوں کی حکمت عملی ایک ہی رہی ہے!

اختیار نے بے حیائی اور اباحیت پرستی کی راہ پر چلانا چاہتا ہے (۱۷) لہٰذا ساری اجتماعی جدّوجہد کا رخ ان "ارباب اقتدار" اور اس "برسرِ اقتدار طبقے" کے خلاف ہونا چاہیئے۔ اور نہ تو قوم کو ان سے بدظن کرنے کی کوشش میں کوئی کمی رہنے دینی چاہیئے اور نہ ہی ان کے خلاف بے چینی اور بے اطمینانی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے سے چوکنا چاہیئے'

چنانچہ ان پورے اکیس سالوں کے دوران ہماری تمام مذہبی قوتیں چاہے وہ جماعتیں تھیں یا جمعیتیں ایک ہی ہدف پر حملے کرتی رہیں اور تحریر و تقریر کا سارا گولہ بارود ایک ہی نشانے پر صرف ہوتا رہا ——— یہ دوسری بات تھی کہ یہ قلعہ تھا خالص ہوائی۔ اس لئے کہ نہ تو کبھی 'ارباب اقتدار' اور 'برسر اقتدار طبقہ' کی واضح تعریف کی جا سکی اور نہ ہی اس کا حدود اربعہ متعین کیا جا سکا ———

عوام کے بارے میں چونکہ مذکورہ بالا صغریٰ کبریٰ کی رو سے یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ تو اسلام کے فدائی اور شیدائی ہیں ہی لہٰذا ان کے ذہن و فکر کی تطہیر اور ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کا سوال منطقی طور پر خارج از بحث رہا۔ اور رفتہ رفتہ صورت یہ ہو گئی کہ ان کی طرف سے خطاب کا رخ بالکل پھر گیا۔ گویا ان سے تو کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ کہنا تو جو بھی کچھ تھا وہ ان کے انگوٹھوں، دستخطوں اور قراردادوں کے بل پر 'ارباب اقتدار' سے تھا!

اس سیاست کا عظیم ترین شاہکار ۱۹۵۳ء کی 'اینٹی قادیانی موومنٹ' تھی جو شروع تو اگرچہ مجلس احرار اسلام اور جمعیت علمائے ہند کے باقیات الصالحات نے کی تھی لیکن جس میں بعد میں اضطراراً جماعت اسلامی کو بھی اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت شریک ہونا پڑا ——— اس موومنٹ کا نقد نتیجہ (NET RESULT) یہ نکلا کہ 'ارباب اقتدار' کے طبقے سے نسبتاً مخلص اور دیندار عناصر کو دیس نکالا مل گیا اور ملکی سیاست کی باگ ڈور زیادہ شاطر اور عیار لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی اور پھر وہ افراتفری مچی جس کے نتیجے میں بالآخر فوجی حکومت قائم ہو کر رہی

دورِ ایوبی کے اواخر میں مذہبی سیاست نے پھر طاقت پکڑنی شروع کی اور اس بار اس نے دو کامیاب چھاپے مارے۔ ایک اوائل ۱۹۶۷ء میں عید الفطر کے موقع پر اور دوسرے اواخر ۱۹۶۸ء میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف ایجی ٹیشن برپا کر کے۔ ان دونوں مواقع پر بھی ملک کے تمام مذہبی عناصر بالکل متحد تھے اور بالکل ایسا سماں بندھ گیا تھا کہ ایک طرف حکومت اور برسر اقتدار طبقہ ہے ——— اور دوسری طرف تمام علماء اور رجالِ دین۔ گویا یہ پاکستان کی مذہبی سیاست کی مذکورہ بالا منطق کا نقطہ عروج تھا ———!!

لیکن افسوس کہ مذہبی سیاست کے اس عروج کو ع "خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود!" کے

مصداق نہایت مختصر عرصہ ملی اور اواخر ۱۹۶۸ء سے ملکی سیاست ایک بالکل ہی نیا موڑ مڑ گئی۔

اس نئے موڑ کے یوں تو متعدد پہلو ہیں لیکن مذہبی سیاست جس پہلو سے سب سے زیادہ متاثر ہوئی وہ یہ ہے کہ چونکہ ایک طرف سیاسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور دوسری طرف موجودہ فوجی حکومت نے کسی مستقل حکومت کی شکل اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی اور کم از کم تاحال اس نے ایک خالص عبوری اور CARE-TAKER قسم کی حکومت کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ لہٰذا 'ارباب اقتدار' اور 'برسر اقتدار طبقہ' ایسی اصطلاحات بے معنی ہو کر رہ گئیں اور اس طرح گویا وہ 'ہوائی قلعہ' فضا میں تحلیل ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا جس پر تمام مذہبی جماعتیں متحد اور متفق ہو کر حملے کیا کرتی تھیں ——

نتیجتہً ایک جانب وہ اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو گیا جس کی بنیاد حبِ علیؓ کی مثبت اساس کے بجائے بغضِ معاویہؓ کی منفی بنیاد پر قائم تھی —— چنانچہ دو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ طاقتور مذہبی جماعتیں یعنی جماعتِ اسلامی اور جمعیت علماء اسلام ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئیں۔ اور دوسری طرف تضادم کا میدان بدل گیا —— اور مقابلہ 'رجالِ دین' اور 'ارباب اقتدار' کے مابین نہ رہا بلکہ اس نے عوامی سطح پر مختلف جماعتوں اور گروہوں کے مابین تصادم کی صورت اختیار کر لی، جس میں اصل جبھہ بندی دائیں اور بائیں بازو کے رجحانات کے تحت ہو رہی ہے اور اصل وزن انہی دو پلڑوں میں ہے اور مذہبی جماعتیں پاسنگ کی حیثیت سے ان دونوں اطراف میں بلا واسطہ یا بالواسطہ وزن ڈالنے پر مجبور ہو رہی ہیں!

خالص نظریاتی اعتبار سے تو پاکستانی سیاست کے موجودہ عبوری دور کو جلد ہی ختم ہو جانا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ آئندہ سال کے وسط تک انتخابات اور دستور سازی وغیرہ کے تمام مراحل طے ہو کر عوام کی نمائندہ حکومت کو قائم ہو جانا چاہیئے —— لیکن عملاً جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ متذکرہ بالا مراحل میں سے ہر مرحلہ نہایت کٹھن ہے اور دستور سازی کی گھاٹی تو تقریباً ناقابل عبور ہی ہے —— بنا بریں موجودہ عبوری دور مستقل نہیں تو کم از کم 'عارضی مستقل' ضرور ہے —— اور چاہے کسی کو پسند ہو یا ناپسند جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ ایک خاصی طویل مدت تک پاکستان میں عوامی کشمکش ہی کا سلسلہ چلتا رہے گا اور 'چار و ناچار' فوج ہی کو پاکستان کی سول ایڈمنسٹریشن کی نگرانی بھی کرنی ہو گی۔ گویا 'برسر اقتدار طبقہ' کا تصور اب ایک طویل عرصے تک مفقود رہے گا اور مذہبی جماعتوں کے اتحاد و اتفاق کی یہ منفی اساس دوبارہ وجود میں نہ آ سکے گی!

تاہم کارکنوں کے لہو کو گرم رکھنا ایک ناگزیر جماعتی ضرورت ہے اور اس کے لئے ایک ایسا ہدف

ع

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

پاکستان کی موجودہ سیاسی کشمکش

اور

اسلام

(’میثاق‘ جنوری تا مئی ۷۰ء کے اداریوں سے اقتباسات)

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

★

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝
(یہ تو بس ایک یاد دہانی ہے!)

(۱)

پاکستانی سیاست کا دورِ جدید اور ہوا کا نیا رخ

تذکرہ و تبصرہ 'میثاق' جنوری ۷۰ء

(۲)

عوامی ایجی ٹیشن سے دوسرے مارشل لا کے نفاذ تک

بعض اہم حوادث و واقعات

تذکرہ و تبصرہ 'میثاق' فروری تا مئی ۱۹۷۰ء سے ماخوذ

(۳)

جمہوریت، سوشلزم اور اسلام

(ایضاً)

پاکستانی سیاست کے دورِ جدید کا آغاز
اور
ہوا کا نیا رُخ

تذکرہ و تبصرہ 'میثاق' جنوری ۱۹۶۹ء سے ماخوذ

اب سے ڈھائی تین ماہ قبل پاکستان کی سیاسی فضا میں جو زبردست طوفانی ہلچل پیدا ہوئی تھی اس کا زور تو اگرچہ اب کم ہو گیا ہے اور دوبارہ کچھ ویسی ہی سکون آمیز کیفیت سیاسی میدان پر طاری ہو گئی ہے جیسی کسی بڑے طوفان باد و باراں کے بعد فضا پر طاری ہوتی ہے[1]۔ تاہم اس طوفان نے سیاسی میدان کے بہت سے گوشوں کو نکھار دیا ہے اور بہت سے زیرِ سطح رجحانات کو سطح پر لا کر نمایاں کر دیا ہے ——— 'میثاق' اگرچہ ملکی سیاسیات سے بالعموم زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔ تاہم اس وقت جو صورتِ حال سامنے ہے اس سے بالکل صرفِ نظر بھی ممکن نہیں ——— بنا بریں ہم بعض مسائل و معاملات کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

میدانِ سیاست کی اس حالیہ سرگرمی کی ابتدا کچھ تو واقعتہً طوفانی انداز کی تھی اور کچھ اس بنا پر بہت زیادہ طوفانی محسوس ہوئی کہ ایک عرصے سے ہمارے ملک میں سیاست کے میدان پر قبرستان کی سی خاموشی طاری تھی ——— ورنہ ظاہر ہے کہ ہر آزاد ملک میں کچھ نہ کچھ سیاسی سرگرمی تو ہر وقت ہی جاری رہتی ہے جو انتہائی ترقی یافتہ ممالک میں بھی کبھی کبھی طوفانی انداز اختیار کر لیتی ہے (جیسا کہ حال ہی میں فرانس میں ہوا تھا!) رہے درمیانی درجے کے ممالک تو ان میں تو اکثر و بیشتر سیاست چلتی ہی اس انداز پر ہے۔ مثلاً ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں سال بھر کے دوران شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہو جب اس کے کسی نہ کسی حصے میں بالکل اسی طرح کی صورتِ حال موجود نہ رہتی ہو جیسی ہمارے یہاں اس طوفان کے ابتدائی دنوں میں تھی ——— ہمارے یہاں چونکہ ایک طویل

---

[1] اگرچہ کچھ نہیں کہا جا سکتا عین ممکن ہے کہ یہ سکوت و سکون کسی دوسرے طوفان کا پیش خیمہ ہی ثابت ہو!

عرصے کے تعطل کے بعد سیاسی سرگرمی کا آغاز ہوا تھا لہٰذا کچھ تو یہ فی نفسہ تیز و تند (RASH) تھی اور کچھ انتظامیہ بھی اس کے لئے تیار نہ تھی۔ چنانچہ اس کی جانب سے صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے میں شدید غلطیاں ہوئیں۔ نتیجۃً آگ مزید بھڑکی اور کچھ ایسا سماں بندھا کہ ایک بار تو بالکل ایسے محسوس ہوا جیسے صدر ایوب کی حکومت خاتمے پر ہے اور پاکستان فوری طور پر کسی نئی سیاسی و انتظامی صورتِ حال سے دوچار ہونے والا ہے ـــــــ لیکن رفتہ رفتہ صورتِ حال سنبھل گئی۔ چنانچہ ایک طرف کچھ تو ایجی ٹیشن کا زور مدھم پڑا اور کچھ حکّام سنبھلے اور دوسری طرف کچھ اپوزیشن کی اپنی صفوں کے بعض رخنے منظرِ عام پر آئے اور کچھ حکومت کی اعلیٰ ترین سطح کی جانب سے بھی سیاسی گفتگو پر آمادگی کا اظہار ہوا ـــــــ نتیجۃً حالات و واقعات نے کسی فوری اور ہنگامی معاملے کی بجائے مسلسل اور مستقل سیاسی سرگرمی کی صورت اختیار کر لی ـــــــ !!

ہمارے نزدیک سیاسی میدان کی یہ سرگرمی بجائے خود ملک و ملت کے حق میں ایک فالِ نیک ہے۔ قبرستان کی سی خاموشی یا جیل کا سا "سب اچھا!" حکمرانوں کے نقطۂ نظر سے چاہے کتنا ہی خوش آئند ہو کسی آزاد ملک اور زندہ قوم کے حق میں زہرِ ہلاہل سے کسی طرح کم نہیں

ہمارے نزدیک عوام کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملکی و ملّی مسائل سے بھرپور دلچسپی لیں اور اپنے بھلے اور برے کے بارے میں خود سوچیں۔ اپنے ملک کے انتظامی معاملات کا فیصلہ اور اپنی قومی پالیسیوں کے رُخ کا تعیّن عوام کا حق ہی نہیں فرض ہے ـــــــ اور خاص طور پر پاکستان ایسے زیرِ ترقی ملک میں تو اس امر کی بھی شدید ضرورت ہے کہ عوام انتظامیہ پر نہ صرف یہ کہ کڑی نظر رکھیں بلکہ اسے پوری طرح لگام دے کر رکھیں ورنہ سیاسیات کے اس مشہور و معروف اصول کے مطابق کہ "اختیار و اقتدار میں بے راہ روی کا رجحان فطری طور پر موجود ہوتا ہے اور اقتدارِ مطلق تو قطعاً بے راہ ہو کر ہی رہتا ہے[1]!" ایک بے لگام اور بگٹٹ انتظامیہ کا بے راہ اور کج رو ہونا قطعی و یقینی ہے !!

قیامِ پاکستان کے ابتدائی دس سالوں میں ملکی سیاست کے بازار میں خاصی رونق رہی تھی اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ "پارلیمانی سیاست" کی گہما گہمی اور حالات کی تبدیلی اور واقعات و حوادث کی رفتار میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا ـــــــ اگرچہ مضبوط اور محکم سیاسی جماعتوں کے فقدان کے باعث میدانِ سیاست کی یہ ساری گرما گرمی خیر کے بجائے شر پیدا کرتی چلی گئی۔ جس کا منطقی نتیجہ ۱۹۵۸ء کے فوجی انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوا

---

[1] "Authority tends to corrupt; and absolute authority corrupts absolutely"

اور جس کے نتیجے میں فطری طور پر ملکی سیاست کا بازار ایک دم بند ہو گیا اور تمام سیاسی حلقے موت و زیست کی کشمکش سے دوچار ہو گئے۔

مارشل لاء تو ہمارے ملک میں اگرچہ چند ہی سال جاری رہا اور چاہے کسی کو پاکستان کے موجودہ دستور سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو بہر حال یہ ایک واقعہ ہے کہ ۱۹۶۲ء سے ہمارے ملک میں باقاعدہ ایک دستوری حکومت قائم ہے ——— لیکن بالکل ایسے جیسے حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد بھی ایک عرصے تک جنوں اور شیطانوں پر ان کی ہیبت و دہشت کے اثرات قائم رہے تھے۔ ہمارے سیاسیین کو بھی مارشل لاء کے صدمے سے ہوش میں آنے میں کافی وقت لگا ——— اور مارشل لاء کے خاتمے کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک ملک کی سیاست کے میدان میں مکمل سرد بازاری کا سماں طاری رہا!

یہ واقعہ ہے کہ مارشل لا کے صدمے سے سب سے پہلے ہوش میں آنے والی جماعت 'جماعت اسلامی' تھی جو سیاسی جماعتوں پر سے پابندی اٹھ جانے کے فوراً بعد ایک منظم جماعت کی حیثیت سے برسر کار ہو گئی ——— اور یہ اس لئے ممکن ہو سکا کہ اس کے کارکنوں نے مارشل لا کے دوران بھی کسی نہ کسی صورت میں اپنی اجتماعیت کو برقرار رکھا تھا ——— دوسرے نمبر پر حرکت میں آنے والا گروپ نظام اسلام کا تھا ——— مسلم لیگ کے احیا کی کوشش ہوئی تو وہ فوراً سرکاری اور مخالف سرکار دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ رہے پاکستان کے اکثر قدیم خاندانی اور پیشہ ور سیاست دان تو ان کی اکثریت صورت حال کو کچھ زیادہ امید افزا نہ پاکر بدستور گوشۂ عافیت میں دبکی رہی۔

۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے موقع پر ۱۹۵۸ء کے بعد پہلی مرتبہ ملکی سیاست کے میدان میں کچھ ہلچل پیدا ہوئی۔ اور محترمہ فاطمہ جناح کی ہمت و جرأت نے دیمک کی طرح مارشل لاء کے عصائے سلیمانی کو چاٹ کر لیا۔ تب سیاسی سورماؤں کو ہوش آیا۔ اور وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ لیکن اب وقت کم تھا اور صدر ایوب کی سیاسی حکمت عملی نے انتخابات کو ملتوی کرنے سے انکار کر کے احزاب مخالف کے ہاتھوں سے موقع چھین لیا!

۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے بعد کے چار سالوں کے بعض حالات و واقعات کا تذکرہ ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال کے صحیح تجزیے اور ان مختلف عوامل کے صحیح فہم کے لئے ناگزیر ہے جو اس وقت ملک کی

سیاسی فضا میں برسرکار ہیں۔

۱: ۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے دوران جو زلزلہ سا صدر ایوب کے ایوان اقتدار میں محترمہ فاطمہ جناح کی شرکت کے باعث آگیا تھا، اس سے خبردار ہوکر صدر ایوب نے اپنی سیاسی حیثیت کو مستحکم کرنے اور اس غرض کے لئے اپنی جماعت کو مضبوط بنیادوں پر از سر نو منظم کرنے کی جانب توجہ کی اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے لئے انہوں نے سر توڑ کوشش کی۔ چنانچہ ابتدائی زمانے میں جبکہ احزاب اختلاف کچھ تو اپنی انتخابی شکست کے زخم چاٹنے میں مصروف تھیں اور کچھ باہم دست و گریباں بھی ہو گئی تھیں، کنونشن لیگ کی تنظیم نو کا خاصہ چرچا ہوا اور کچھ عرصے تک تو یہ محسوس کیا گیا کہ شاید آئندہ اس ملک کی واحد سیاسی تنظیم سرکاری لیگ ہی ہوگی —— لیکن جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ نہ تو صدر ایوب عوام میں کوئی "جذبہ تازہ" پیدا کر سکے اور نہ ہی مخلص اور محنتی کارکنوں کی کوئی ٹیم تیار کر سکے —— چنانچہ ادھر کچھ عرصے سے صدر ایوب کے قریبی حلقے کے لوگ بھی برملا اعتراف کر رہے ہیں اور غالباً حالیہ سیاسی ہنگاموں کے بعد تو صدر ایوب خود بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ وہ پاکستان مسلم لیگ کو ایک منظم اور فعال جماعت بنانے کی کوشش میں قطعاً ناکام ہو گئے ہیں اور اس کوشش میں جو وقت اور سرمایہ صرف ہوا وہ اکثر و بیشتر ضائع ہو گیا ہے!

> حقیقت یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں کسی عوامی جدّ و جہد کے دوران محنت و مشقت اور ایثار و قربانی کے ذریعے منظم و مستحکم ہوا کرتی ہیں اور مصائب و تکالیف کے الاؤ اور ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹیوں سے گذر کر ہی ان کے کارکنوں کا مس خام کندن بنتا ہے، مسند اقتدار تک رسائی کے بعد سے تو فوری طور پر کسی سیاسی جماعت کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ حکومت کے ایوانوں اور اقتدار کی مسندوں پر بیٹھ کر سیاسی جماعتوں کی تنظیم کی کوشش ویسا ہی احمقانہ خیال ہے جیسا یہ منصوبہ کہ پہلے سیدھے یا ٹیڑھے جس راستے سے بھی ممکن ہو اقتدار پر قبضہ جما لیا جائے اور پھر اس کے ذریعے ایک عوامی اسلامی انقلاب برپا کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ کنونشن لیگ سے منسلک لوگوں میں سے اکثر و بیشتر کی اصل نظر مفادات پر ہے اور ان ہی کی باہمی بندر بانٹ پاکستان مسلم لیگ کی اصل اجتماعی سرگرمی ہے نہ اس کے پاس مخلص کارکن ہیں اور نہ ہی عوام کی پشت پناہی اسے حاصل ہے —— نتیجۃً صدر ایوب کی حکومت یا تو خود ان کی اپنی ذات کے بل پر قائم ہے یا سرونز کے سہارے، اس کی کوئی حقیقی اور واقعی سیاسی اساس موجود نہیں ہے۔

۲: ۶۵ء کی پاک ہند جنگ بلاشبہ گذشتہ صدارتی انتخابات کے بعد کے دور کا اہم ترین واقعہ ہے۔ ملک

کے بقا و دفاع اور خاص طور پر اس کی خارجہ حکمت عملی کے اعتبار سے تو اس کی اہمیت اظہر من الشمس ہے ہی، ملک کی داخلی سیاست پر بھی اس کے بہت گہرے اثرات مترتب ہوئے۔ ہمیں یہاں اس سترہ روزہ جنگ کے اسباب وعلل سے تو سرے سے کوئی بحث ہی نہیں، اس کے تمام عواقب و نتائج کا استقصاء بھی مطلوب نہیں البتہ ان میں سے چند ایسے امور کا تذکرہ ناگزیر ہے جن کا براہ راست تعلق ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال سے ہے۔

● ان میں سے اہم ترین امر تو یہ ہے کہ اس جنگ کے جو نتائج برآمد ہوئے ان کی بنا پر صدر ایوب کی سیاسی حیثیت کو شدید دھکا لگا اور ان کا جو ستارہ ایشیا کے ایک عظیم رہنما یا بالفاظ دیگر ایشیائی ڈیگال کی حیثیت میں عروج کی جانب حرکت کر رہا تھا مائل بہ زوال ہو گیا۔

● دوسرے یہ کہ پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی جو چند سال قبل سے مسلسل ایک خاص رخ پر بڑھتی چلی جا رہی تھی ایک انتہا پر پہنچ کر نہ صرف یہ کہ رک گئی بلکہ واپس قدیم سمت میں گردش کرنے لگی ——— اور بہ ظاہر احوال بھی اس میں کم از کم اعتدال کا رنگ نمایاں ہو گیا۔

● تیسرے یہ کہ مسلم قومیت کا جو جذبہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا سبب بنا تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد جلد ہی سرد پڑ گیا تھا۔ اس جنگ کے دوران نہ صرف یہ کہ ایک دم پھر بیدار ہوا بلکہ ایک بار پھر اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا۔ اگرچہ اس کا یہ زور شور (TEMPO) اب کی بار بھی عارضی ہی ثابت ہوا اور جنگ کے بعد جلد ہی یہ جذبہ پھر سرد پڑنا شروع ہو گیا۔

پاکستان کی خارجہ حکمت عملی اور پاکستانی قومیت دونوں کے اعتبار سے پاکستان کی سیاسیات میں جو مدّ اس جنگ کے دوران آیا تھا صدر ایوب کو تو اپنی مخصوص ذمہ دارانہ حیثیت کی مجبوریوں کی بنا پر اسے ایک خاص حد تک لے جانے کے بعد واپس جذر کی جانب لوٹنا پڑا ——— لیکن ان کے اپنے ایک تربیت دادہ نوجوان ساتھی نے مدّ سے جذر کی جانب رجوع سے انکار کر دیا اور وہ اسی مقام پر کھڑا رہ گیا۔ نتیجۃً اُس نے اس مدّ کے لئے علامتی حیثیت اختیار کر لی ——— بس یہیں سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اصل ذاتی سیاسی زندگی اور پاکستان کی سیاسی تاریخ کے ایک بالکل نئے باب کا آغاز ہو گیا!!

۴: قدیم متحدہ احزاب اختلاف، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے بعد کچھ عرصہ تو کچھ اپنی انتخابی شکست کے زخموں کو سہلانے میں مصروف رہیں اور کچھ باہمی اختلافات میں الجھی رہیں اس کے فوراً بعد ۶۵ء کی پاک ہند جنگ واقع ہو گئی جس میں پوری قوم متحد اور یکسو تھی اور اختلاف و افتراق کی گنجائش ہی نہ تھی۔ جنگ کے فوراً بعد اعلان تاشقند سے انہیں صدر ایوب کی حکومت کے خلاف عوامی جذبات کو مشتعل کرنے

سیاسی فضا میں برسرکار ہیں۔

۱: ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے دوران جو زلزلہ سا صدر ایوب کے ایوان اقتدار میں محترمہ فاطمہ جناح کی شرکت کے باعث آگیا تھا، اس سے خبردار ہوکر صدر ایوب نے اپنی سیاسی حیثیت کو مستحکم کرنے اور اس غرض کے لئے اپنی جماعت کو مضبوط بنیادوں پر از سر نو منظم کرنے کی جانب توجہ کی اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے لئے انہوں نے سر توڑ کوشش کی۔ چنانچہ ابتدائی زمانے میں جبکہ احزاب اختلاف کچھ تو اپنی انتخابی شکست کے زخم چاٹنے میں مصروف تھیں اور کچھ باہم دست و گریباں بھی ہو گئی تھیں۔ کنونشن لیگ کی تنظیم نو کا خاصہ چرچا ہوا اور کچھ عرصے تک تو یہ محسوس کیا گیا کہ شاید آئندہ اس ملک کی واحد سیاسی تنظیم سرکاری لیگ ہی ہوگی ——— لیکن جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ نہ تو صدر ایوب عوام میں کوئی "جذبہ تازہ" پیدا کر سکے اور نہ ہی مخلص اور محنتی کارکنوں کی کوئی ٹیم تیار کر سکے ——— چنانچہ ادھر کچھ عرصے سے صدر ایوب کے قریبی حلقے کے لوگ بھی برملا اعتراف کر رہے ہیں اور غالباً حالیہ سیاسی ہنگاموں کے بعد تو صدر ایوب خود بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ وہ پاکستان مسلم لیگ کو ایک منظم اور فعال جماعت بنانے کی کوشش میں قطعاً ناکام ہو گئے ہیں اور اس کوشش میں جو وقت اور سرمایہ صرف ہوا وہ اکثر و بیشتر ضائع ہو گیا ہے!

> حقیقت یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں کسی عوامی جدّ و جہد کے دوران محنت و مشقت اور ایثار و قربانی کے ذریعے منظم و مستحکم ہوا کرتی ہیں اور مصائب و تکالیف کے الاؤ اور ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹیوں سے گذر کر ہی ان کے کارکنوں کا مس خام کندن بنتا ہے۔ مسند اقتدار تک رسائی کے بعد سے تو فوری طور پر کسی سیاسی جماعت کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ حکومت کے ایوانوں اور اقتدار کی مسندوں پر بیٹھ کر سیاسی جماعتوں کی تنظیم کی کوشش ویسا ہی احمقانہ خیال ہے جیسا یہ منصوبہ کہ پہلے سیدھے یا ٹیڑھے جس راستے سے بھی ممکن ہو اقتدار پر قبضہ جما لیا جائے اور پھر اس کے ذریعے ایک عوامی اسلامی انقلاب برپا کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ کنونشن لیگ سے منسلک لوگوں میں سے اکثر و بیشتر کی اصل نظر مفادات پر ہے اور ان ہی کی باہمی بندر بانٹ پاکستان مسلم لیگ کی اصل اجتماعی سرگرمی ہے نہ اس کے پاس مخلص کارکن ہیں اور نہ ہی عوام کی پشت پناہی اسے حاصل ہے ——— نتیجۃً صدر ایوب کی حکومت یا تو خود ان کی اپنی ذات کے بل پر قائم ہے یا سروسز کے سہارے، اس کی کوئی حقیقی اور واقعی سیاسی اساس موجود نہیں ہے۔

۲: ۱۹۶۵ء کی پاک ہند جنگ بلاشبہ گذشتہ صدارتی انتخابات کے بعد کے دور کا اہم ترین واقعہ ہے۔ ملک

کے بقا و دفاع اور خاص طور پر اس کی خارجہ حکمت عملی کے اعتبار سے تو اس کی اہمیت اظہر من الشمس ہے ہی، ملک کی داخلی سیاست پر بھی اس کے بہت گہرے اثرات مترتب ہوئے۔ ہمیں یہاں اس سترہ روزہ جنگ کے اسباب و علل سے تو سرے سے کوئی بحث ہی نہیں، اس کے تمام عواقب و نتائج کا استقصاء بھی مطلوب نہیں البتہ ان میں سے چند ایسے امور کا تذکرہ ناگزیر ہے جن کا براہ راست تعلق ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال سے ہے۔

● ان میں سے اہم ترین امر تو یہ ہے کہ اس جنگ کے جو نتائج برآمد ہوئے ان کی بنا پر صدر ایوب کی سیاسی حیثیت کو شدید دھکا لگا اور ان کا جو ستارہ ایشیا کے ایک عظیم رہنما یا بالفاظ دیگر ایشیائی ڈیگال کی حیثیت میں عروج کی جانب حرکت کر رہا تھا مائل بہ زوال ہو گیا۔

● دوسرے یہ کہ پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی جو چند سال قبل سے مسلسل ایک خاص رخ پر بڑھتی چلی جا رہی تھی ایک انتہا پہ پہنچ کر نہ صرف یہ کہ رک گئی بلکہ واپس قدیم سمت میں گردش کرنے لگی —— اور بہ ظاہر احوال بھی اس میں کم از کم اعتدال کا رنگ نمایاں ہو گیا۔

● تیسرے یہ کہ مسلم قومیت کا جو جذبہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا سبب بنا تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد جلد ہی سرد پڑ گیا تھا۔ اس جنگ کے دوران نہ صرف یہ کہ ایک دم پھر بیدار ہوا بلکہ ایک بار پھر اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا۔ اگرچہ اس کا یہ زور شور (TEMPO) اب کی بار بھی عارضی ہی ثابت ہوا اور جنگ کے بعد جلد ہی یہ جذبہ پھر سرد پڑنا شروع ہو گیا۔

> پاکستان کی خارجہ حکمت عملی اور پاکستانی قومیت دونوں کے اعتبار سے پاکستان کی سیاسیات میں جو مدّ اس جنگ کے دوران آیا تھا صدر ایوب کو تو اپنی مخصوص ذمہ دارانہ حیثیت کی مجبوریوں کی بنا پر اسے ایک خاص حد تک لے جانے کے بعد واپس جذر کی جانب لوٹنا پڑا —— لیکن ان کے اپنے ایک تربیت دادہ نوجوان ساتھی نے مدّ سے جذر کی جانب رجوع سے انکار کر دیا اور وہ اسی مقام پر کھڑا رہ گیا۔ نتیجۃً اس نے اس مدّ کے لئے علامتی حیثیت اختیار کر لی —— بس یہیں سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اصل ذاتی سیاسی زندگی اور پاکستان کی سیاسی تاریخ کے ایک بالکل نئے باب کا آغاز ہو گیا !!

۴: قدیم سکّہ بند احزاب اختلاف، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے بعد کچھ عرصہ تو کچھ اپنی انتخابی شکست کے زخموں کو سہلانے میں مصروف رہیں اور کچھ باہمی اختلافات میں الجھی رہیں اس کے فوراً بعد ۶۵ء کی پاک ہند جنگ واقع ہو گئی جس میں پوری قوم متحد اور یکسو تھی اور اختلاف و افتراق کی گنجائش ہی نہ تھی۔ جنگ کے فوراً بعد اعلان تاشقند سے انہیں صدر ایوب کی حکومت کے خلاف عوامی جذبات کو مشتعل کرنے

کا ایک سنہری موقع ہاتھ آیا تھا اور مخالف جماعتوں کے جوشیلے کارکن اس پر مُصر بھی تھے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن بعض "بزرگ سیاست دانوں" نے عوامی ایجی ٹیشن کی تجویز کو رد کر کے ایک پُر امن آئینی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی، کونسل مسلم لیگ، نظام اسلام پارٹی، عوامی لیگ اور مشرقی پاکستان کے قومی جمہوری محاذ پر مشتمل ایک متحدہ محاذ پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ (P D M) کے نام سے معرض وجود میں آگیا جو تقریباً دو سال سے سہل انداز میں اور سہج چال سے لیکن بڑے تسلسل و استقلال کے ساتھ دھیمے دھیمے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک مسٹر بھٹو نے ہنگامہ کھڑا کر کے اسے بالکل نئی صورت حال سے دو چار کر دیا۔

پی ڈی ایم کو اس بات کا کریڈٹ بہرحال دیا جانا چاہیئے کہ اس نے تقریباً دو سال تک "بحالی جمہوریت" کے لئے بڑی مستقل مزاجی سے کام کیا ہے اور اس کے لئے واقعی اور حقیقی محنت کی ہے۔ اور اگرچہ وہ جس شائستہ اور بے ضرر قسم کے طریق کار کی عادی ہے اس سے کسی بھی حکومت کو فوری طور پر خائف ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کجا ایک ملک کی اپنی نوکر شاہی (BEAUROCRACY) کی حکومت کو جو ایک حقیقی عوامی جمہوری حکومت کے سوائے باقی تمام قسم کی حکومتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے ——— تاہم اس میں شک نہیں کہ کم ازکم پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پی ڈی ایم کی حالیہ دو سالہ جدّ و جہد ایسی منظّم اور مسلسل اور آئینی و پُر امن جدو جہد کی کوئی دوسری مثال جماعت اسلامی کی ابتدائی دستوری مہموں کے سوا نہیں ملتی

اس کی وجہ بھی بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ P D M کا اصل تنظیمی ڈھانچہ بھی جماعت اسلامی ہی کے سہارے قائم ہے اور اس کی اصل روح رواں بھی جماعت اسلامی ہی ہے۔ پی ڈی ایم میں شامل دوسری تمام جماعتیں اور پارٹیاں چند معروف سیاست دانوں کی باہمی ایسوسی ایشنوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں وہ اصل جماعتی تنظیم جس کے بل پر پی ڈی ایم کا سارا کاروبار چل رہا ہے صرف جماعت اسلامی کی ہے۔

پی ڈی ایم کے بارے میں ایک اور اہم بات جو پیش نظر رہنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس پہ دائیں بازو کے رجحانات کا فیصلہ کن غلبہ ہے۔ بائیں رجحانات کے حامل صرف نہایت نرم طبع اور معتدل مزاج لوگ ہی اس میں کھپ سکے ہیں اور انہیں بھی جلد یا بدیر اس سے علیحدگی اختیار کرنی ہوگی ——— یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اس اعتبار سے بھی اصل علامتی حیثیت اس گروہ میں جماعت اسلامی ہی کو حاصل ہے اور یہ جیسا کہ ہم بعد میں قدرے تفصیل سے عرض کریں گے۔ اس ملک میں اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے ایک بہت بڑی بدقسمتی کا آغاز ہے۔

*: سوشلسٹ ذہن اور بائیں بازو کے رجحانات مشرقی پاکستان کی حد تک تو کم ازکم اتنے ہی "قدیم" ہیں جتنا خود

پاکستان، لیکن مغربی پاکستان میں یہ رجحانات زیادہ تر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ابھرے ہیں۔ اور گذشتہ دو ڈھائی سال کے عرصے میں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رجحانات تیزی کے ساتھ پھیلے بھی ہیں اور مختلف تنظیمی ہیئتوں کی شکل میں نمودار بھی ہوئے ہیں۔ اس کا ایک سبب ملک کی معیشت میں 'صنعتی انقلاب' کے اثرات بھی ہیں جن سے موجودہ استحصالی نظام معیشت کی گھناؤنی صورت کھل کر سامنے آرہی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی بیکاری سے بھی ان رجحانات کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ ہماری گذشتہ پانچ چھ سال کی خارجہ پالیسی نے بھی جس کے مدّوجذر کے جانب ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں ان رجحانات کو تقویت دی ہے —— غرض کہ مختلف اسباب و عوامل کی بنا پر ہمارے ملک میں سوشلسٹ نظریات اور بائیں بازو کے رجحانات نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی قوّت کی صورت اختیار کر لی ہے۔

> مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی اس کی ایک عظیم علامت ہیں اور مغربی پاکستان میں یوں تو اس کے کئی ایک دھڑے ہیں، لیکن ان کے اصل علامت کی حیثیت بلاشبہ مسٹر بھٹو کو حاصل ہو گئی ہے۔ اور اگرچہ ان دونوں کے مابین اشتراکِ عمل کی کوئی واضح صورت تا حال سامنے نہیں آئی تاہم یہ ایک یقینی امر ہے کہ عنقریب ان دونوں میں اتحاد کی صورت پیدا ہو جائے گی اور پھر یہ بائیں بازو کا وہ اصل مرکز (NUCLEUS) ہوگا جس کے گرد ملک کے تمام سوشلسٹ عناصر حتیٰ کہ معتدل مزاج (یا عام اخباری اصطلاح کے مطابق ماسکو نواز) طبقے بھی جو اس وقت پی ڈی ایم کے ساتھ ہیں جلد یا بدیر جمع ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔

۵: گذشتہ دو ڈھائی سال کے دوران تدریجاً ایک اور قوّت بھی پاکستانی سیاست کے منظر عام پر نمودار ہوئی ہے۔ ہماری مراد جمعیت علمائے اسلام سے ہے جس نے اس عرصے میں رفتہ رفتہ خاصی قوت بہم پہنچالی ہے اور اپنے منتشر اثرات کو خاصے مضبوط تنظیمی سلسلے میں منسلک کر لیا ہے[1]۔ ..... اس گروہ کے بارے میں اہم ترین بات جو نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا رجحان بائیں بازو کی جانب ہے اور چاہے اس کا سبب مغربی استعمار سے شدید نفرت کا وہ قدیم جذبہ ہو جو انہیں اپنے اسلاف سے ورثے میں ملا ہے اور گویا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ چاہے یہ واقعہ ہو کہ چونکہ یہ خود ایک خالص عوامی قوّت ہیں لہٰذا عوام کی

---

[1] یہ مکمّل اقتباس صرف دو ماہ قبل جون جولائی کے مشترکہ شمارے میں دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہاں حذف کیا جا رہا ہے!

دقتوں اور مشکلات کا زیادہ قریبی احساس رکھتے ہیں اور چاہے یہ ہو کہ ماضی میں ان کا اشتراک عمل جس عظیم سیاسی تحریک کے ساتھ رہا ہے (ہماری مراد ماضی کی انڈین نیشنل کانگرس سے ہے!) اس پر بالعموم سوشلسٹ خیالات کا غلبہ تھا —— سبب یا اسباب خواہ کچھ بھی ہوں بہرحال واقعہ یہی ہے کہ جمعیت علمائے اسلام کا رجحان فیصلہ کن حد تک بائیں بازو کی جانب ہے .. ..

الغرض ایک طویل مدت کے حبس کے بعد جو طوفانی کیفیت گذشتہ ڈھائی تین ماہ کے دوران پاکستانی سیاست کے میدان پر طاری رہی تھی اس کے مدھم پڑتے ہی جو نئی صورت حال سامنے آئی ہے اور گذشتہ چند سالوں سے جو رجحانات زیر سطح تقویت پاتے رہے ہیں ان کے ایک دم سطح پر آجانے سے سیاست کی جو تازہ بساط پاکستان میں بچھی ہے اس کا مختصر نقشہ یہ ہے :-

۱ : جہاں تک حکومت وقت کا تعلق ہے وہ کچھ ایک فرد کی ذاتی شخصیت کے سہارے اور زیادہ تر نوکر شاہی کے بل پر قائم ہے اس کی عوامی و سیاسی جڑیں اوّل تو کوئی ہیں ہی نہیں اور جو ہیں ان کی حیثیت بھی زیادہ سے زیادہ ان اضافی جڑوں (ADVENTITIOUS ROOTS) کی سی ہے جو بعض درختوں (مثلاً برگد) کی شاخوں سے اتر کر زمین میں نیچے گڑ جاتی ہیں اور درخت کے پھیلاؤ کے لئے اضافی سہاروں کا کام دیتی ہیں۔

۲ : پاکستانی سیاست کا وہ دور اب گذر چکا جب سیاست صرف اصحاب دولت و ثروت کے مشغلے کی حیثیت رکھتی تھی اور گنتی کے چند جاگیردار اور سرمایہ دار (جن میں تازہ اضافہ بعض نو دولتیے صنعت کاروں کا ہوا تھا) اس پر کامل اجارہ داری رکھتے تھے۔ اب یہاں عوامی سیاست کے دور کا آغاز ہو گیا ہے اور وہ دور قریب آیا چاہتا ہے جس کی خبر علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ان اشعار میں دی تھی کہ ؎

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ — جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

اور ؎ گیا دور سرمایہ داری گیا — تماشہ دکھا کر مداری گیا

۳ : پاکستان کی موجودہ بساط سیاست کے عناصر اربعہ حسب ذیل ہیں۔ ایک دائیں بازو کے قدیم خاندانی اور پیشہ ور سیاست دان جو اکثر و بیشتر زمینداروں اور سرمایہ داروں کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اگرچہ اس وقت متعدد سرکاری و غیر سرکاری لیگوں میں منقسم ہیں لیکن درحقیقت 'ملت واحدہ' ہیں اور کسی بھی وقت ع "آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک" کے مصداق باہم متحد ہو سکتے ہیں —— دوسرے دائیں بازو کی مضبوط مذہبی جماعت —— جماعت اسلامی۔ —— تیسرے بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں جن میں سے کچھ فی الوقت پی ڈی ایم (یا تازہ تر ڈی اے سی) میں شامل ہیں اور کچھ اس کے باہر ہیں اور —— چوتھے

بائیں بازو کی مذہبی جماعت ـــــ جمعیت علمائے اسلام

۴: پاکستان کی آئندہ سیاست کا اصل محور (AXIS) دائیں اور بائیں بازوؤں کے رجحانات کا تصادم ہوگا[1] اور مندرجہ بالا موجودہ بساط سیاست میں جو گروہ بندیاں اس محور کے علاوہ کسی اور بنیاد پہ قائم ہیں یا ابھی قائم ہو رہی ہیں وہ جلد یا بدیر ٹوٹ کر رہیں گی اور نئی صف بندی (ALIGHNMENT) اسی محور کے گرد ہوگی۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ قابل حذر، لیکن قطعاً یقینی امر یہ ہے کہ دائیں اور بائیں بازو کی بیرونی قوتیں بھی اب پاکستانی سیاست میں پہلے سے کہیں زیادہ دخیل ہوں گی اور اپنے اپنے مفادات کے تحفظ اور اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر کے دفاع اور ان میں توسیع کے لئے زیادہ سے زیادہ امکانی حد تک اثر انداز ہونے کی کوشش کریں گی۔

---

[1] جس کی ایک ناخوشگوار ابتداء لاہور اور کراچی میں دائیں بازو کی انتہائی جماعت یعنی جماعت اسلامی اور بائیں بازو کے انتہا پسند لوگ یعنی پی پی پی کے کارکنوں کے سر پھٹول کی شکل میں ہو چکی ہے۔

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر ۱

اسلام کی نشاۃ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

اسرار احمد

● فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء ● بنیادی نقطۂ نظر ● عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش ● مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل ● علوم عمرانی کا ارتقا ● اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکیں ● تعمیر کی کوتاہی ● احیائے اسلام کی شرط لازم: تجدید ایمان ● کرنے کا اصل کام ● عملی اقدامات اور مضامین مندرجہ بالا کی تائید و توثیق بعنوان "فکر مغرب کے اساسی اداروں کا تاریخی پس منظر"

از قلم: پروفیسر یوسف سلیم چشتی : سائز ۱۸ × ۲۲ صفحات ۵۶ طباعت آفسٹ : قیمت ایک روپیہ

: شائع کردہ :

دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) لاہور۔ فون ۶۹۵۲۲

عوامی ایجی ٹیشن سے دوسرے مارشل لا کے نفاذ تک

بعض اہم حوادث و واقعات

(۱)

ماخوذ از "تذکرہ و تبصرہ" میثاق فروری ۱۹۶۹ء

مظاہروں اور ہنگاموں کا دوسرا دور

گذشتہ ماہ کا "تذکرہ و تبصرہ" ہم نے اس نسبتاً پر سکون وقفے کے دوران تحریر کیا تھا جو پاکستانی سیاست کے میدان میں پہلی طوفانی ہلچل کے بعد کچھ دنوں کے لئے آیا تھا اور اگرچہ ہم نے اس وقت کی سکون آمیز کیفیت کے بارے میں اس خدشے کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ "عین ممکن ہے کہ یہ سکوت و سکون کسی دوسرے طوفان کا پیش خیمہ ہی ثابت ہو" ! تاہم واقعہ یہ ہے کہ ہمیں قطعاً اندازہ نہ تھا کہ اس قدر فوری طور پر ایک دوسرا طوفان آ جائے گا جس کی تیزی و تندی سابقہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے گی !

بہرحال متوقع یا غیر متوقع، طوفان کا یہ دوسرا ریلا تھا بہت سخت، جس میں معاملہ جلسوں، جلوسوں، مظاہروں، لاٹھی چارج اور آنسو آور گیس کے استعمال سے بہت آگے نکل کر عوام کی طرف سے توڑ پھوڑ، لوٹ مار آتشزنی و خشت باری بلکہ بعض مقامات پر مہلک ہتھیاروں کے استعمال تک ——— اور حکومت کی جانب سے پولیس کی فائرنگ، فوج کی طلبی اور کرفیو کے نفاذ تک پہنچا۔ چنانچہ مشرقی و مغربی پاکستان کے درجن بھر بڑے بڑے شہروں میں مسلسل کئی روز تک لاقانونیت کا دور دورہ رہا اور شہری زندگی پر کامل تعطل کی کیفیت طاری رہی ——— اور اگرچہ ان سطور کی تحریر کے وقت صورت حال یہ ہے کہ بالعموم حالات پر قابو پایا جا چکا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ فوج کی آمد اور کرفیو کے نفاذ کے بعد کسی جگہ سے بھی کسی خاص واقعے یا حادثے کی اطلاع نہیں ملی۔ چنانچہ اکثر مقامات سے کرفیو اٹھایا بھی جا چکا ہے تاہم حالات کسی طرح بھی اطمینان بخش قرار نہیں دیئے جا سکتے اور عین ممکن ہے کہ کچھ وقفے کے بعد دوبارہ ناخوشگوار واقعات کا سلسلہ شروع ہو جائے۔

لاقانونیت اور انارکی

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کی موجودہ سیاست سخت

تشویش ناک صورت اختیار کر گئی ہے اور ملک و ملت کے تمام بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ جماعتی سیاست کے تقاضوں سے بلند تر ہو کر خالص ملی و قومی سطح پر غور و فکر کریں اور اس پیچیدہ صورت حال کو جلد از جلد سلجھانے کی کوشش کریں۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ سیاسی ایجی ٹیشن کے اس دوسرے ریلے میں لاقانونیت اور انارکی کا رنگ غالب تھا اور اگرچہ تمام مخالف جماعتوں نے تخریبی سرگرمیوں کی ذمہ داری سے اظہار برأت کیا ہے اور توڑ پھوڑ اور لوٹ مار کی ساری ذمہ داری کسی قدر غنڈہ عناصر پر اور زیادہ تر خود حکام کے غلط اقدامات پر ڈالی ہے اور یہ الزام بھی لگایا ہے کہ یہ ساری کارروائی حکام نے سخت تر اقدامات کا جواز مہیا کرنے کے لئے از خود اپنے ایجنٹوں سے کرائی ہے تاہم یہ بالکل واضح ہے کہ عوامی سطح پر سیاسی شعور اور جماعتی تنظیم کی ابھی ہمارے یہاں بہت کمی ہے اور اپوزیشن کسی طرح بھی اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ قوم کی ایک ایسی واضح اکثریت کا اعتماد و تعاون اسے حاصل ہے کہ وہ اپنی سیاسی تحریک کو طے کردہ خطوط پر چلانے اور اسے کوئی غلط رخ اختیار کرنے سے روکنے پر قادر ہے۔

آنجہانی موہن داس کرم چند گاندھی نے ایک مرتبہ اپنی سیاسی تحریک کو بین عروج کے موقع پر محض اس بنا پر ایک دم بند کر دیا تھا کہ ایک مشتعل ہجوم نے ایک تھانے پر حملہ کر دیا تھا اور اس کے باوجود کہ ان کے تمام اہم رفقاء اس پر سخت برہم ہوئے تھے اور مُصر تھے کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں وہ اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے تھے اور گویا ان کا موقف یہ تھا کہ ایسے واقعات کا ظہور ہماری سیاسی پوزیشن کی کمزوری اور عوام پر ہماری گرفت کی کمی کا ثبوت ہے اور ہمیں ابھی ؎

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

کے مصداق عوامی تحریک چلانے سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی توجہات عوام کے سیاسی شعور کی تربیت اور عوامی تنظیم کے استحکام پر مرکوز کر دینی چاہئیں۔

ہمارے یہاں، جیسا کہ ہم نے گذشتہ ماہ بھی عرض کیا تھا اس وقت عوامی سیاست کے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ بالکل شروع ہی سے سیاست کے میدان میں صحت مند روایات قائم ہوتی چلی جائیں اور مختلف الخیال عناصر اپنی اصل توجہ رائے عامہ کو بیدار کرنے اور اپنی جماعتی تنظیم کو مستحکم کرنے پر صرف کریں۔ ہلڑ بازی اور ہنگامہ آرائی میں کسی کی بھی خیر نہیں ہے اور تخریبی سرگرمیوں سے موجودہ حکومت ہی کو پریشانی نہیں ہوگی بلکہ اگر یہ عادت پختہ ہو گئی تو آئندہ بھی ہر حکومت کو مسلسل دقت کا سامنا رہے گا۔

ہمارا سیاسی شعور ابھی بہت کچھ پختگی کا محتاج ہے اور اس نیم خام و نیم پختہ حالت میں اس امر کی بھی شدید ضرورت ہے کہ تمام محبّ وطن اور محبّ قوم عناصر پوری طرح ہوشیار رہیں۔ مبادا ملک و ملّت کے دشمن انارکی کے پردے میں قوم و وطن کو کوئی ناقابل تلافی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔

طلبہ کا مسئلہ

خاص طور پر طلبہ کا مسئلہ اس وقت نہایت پیچیدہ صورت اختیار کر گیا ہے۔ ان میں عام بے چینی اور اضطراب کی جو کیفیت پائی جاتی ہے اس کے بہت سے اسباب ہیں اور یہ مسئلہ صرف ہمارے ملک کا ہی نہیں پوری دنیا کا ہے۔ تہذیب جدید نے انسان کو روحانی قدروں سے جس طرح بے گانہ کیا ہے اور اخلاقی معیارات جتنی تیزی سے پست ہوتے ہیں اس کا مظہر اتم بہرحال نوجوان نسل ہی کو ہونا چاہیئے اور کسی اعلیٰ نصب العین کے فقدان کے باعث جو مہیب خلا انسانی زندگی میں پیدا ہو گیا ہے اس کا سب سے نمایاں اثر بھی نوجوان طلبہ ہی میں نظر آنا چاہیئے۔ ان پیچ در پیچ اسباب کی بنا پر پوری دنیا میں نوجوان طلبہ کے طبقے کی کیفیت بالکل بارود کی سی ہے جو ذرا سی چنگاری سے بھڑک اٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ پھر خاص طور پر زیر ترقی ممالک کے اپنے مخصوص مسائل ہیں جن سے طلبہ کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوتا ہے ——— چنانچہ ہمارے یہاں بھی یہ طبقہ ع " دیوانہ را ہوئے بس است ! " کے مصداق گویا منتظر ہی تھا کہ کہیں سے کوئی صورت ایجی ٹیشن کی پیدا ہو اور یہ اس میں کود پڑیں۔

گذشتہ چند سالوں کے دوران ہماری حکومت نے طلبہ کی سیاسی سرگرمیوں پر جو پابندیاں عائد کئے رکھی ہیں ان سے بھی ان کے اندر ہی اندر ایک لاوا سا پکتا رہا ہے جسے بہرحال ایک نہ ایک دن پھٹنا تھا چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ حالیہ سیاسی ایجی ٹیشن میں اصل زور شور طلبہ ہی کا پیدا کردہ ہے اور موجودہ سیاسی ہما ہمی ان ہی کی رہین منت ہے۔ تین ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ یونیورسٹیاں اور کالج بند ہیں اور تعلیم و تعلّم کا سلسلہ قطعاً معطل پڑا ہے۔ اور اب بھی اگرچہ کچھ کالج کھل گئے ہیں بہت سے طالب علم کلاسوں کا بائیکاٹ کر رہے ہیں اور اس کے باوجود کہ ان کے کچھ مطالبات تسلیم بھی کئے جا چکے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے گویا ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں لیکن ان کا ایجی ٹیشن علیٰ حالہٖ قائم ہے اور نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی کمی نہیں آ رہی بلکہ ان کے مطالبات میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے ——— حتیٰ کہ مشرقی پاکستان کے طلبہ نے تو اپنے مطالبات میں تمام سیاسی طبقات کے جملہ مطالبات کو شامل کر لیا ہے۔

یہ صورتِ حال بھی متقاضی ہے کہ ملک و ملّت کے بہی خواہ اس پر اپنے اپنے جماعتی و گروہی نقطہ ہائے نظر سے نہیں بلکہ قومی و ملّی نقطہ نظر سے سوچیں۔ جو سیاسی حلقے طلبہ کو اپنے پیش نظر سیاسی انقلاب کے لئے استعمال کرنے کی کوشش میں ہیں وہ درحقیقت آگ سے کھیل رہے ہیں اور انہیں کسی طرح قوم اور وطن کا بہی خواہ قرار

نہیں دیا جا سکتا۔ سیاست اصلاً ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو تعلیم سے فارغ ہو کر ملک کے ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ طلبہ کا اصل کام یہ ہے کہ اپنے زمانہ تعلیم میں آئندہ زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی زیادہ سے زیادہ استعداد پیدا کریں۔ اسی تعلیم و تربیت کا ایک جزو یقیناً سیاسی شعور اور ملکی و قومی مسائل کی سوجھ بوجھ بھی ہے۔ لیکن دوران تعلیم کسی سیاسی دھڑے کا آلہ کار بننا طلبہ کے اپنے مستقبل کے اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے اور ملک و ملت کے مجموعی مفادات کے اعتبارات سے بھی سخت مضر ہے۔

صدر ایوب کی مصالحانہ روش

اس تازہ ایجی ٹیشن پر صدر ایوب کا ردعمل ہمارے نزدیک بہت صائب اور متوازن ہے۔ ان کے لئے ایک راستہ یہ بھی تھا کہ موجودہ صورت حال کو صرف "بعض شرپسند لوگوں" کی جانب منسوب کر کے تشدد کی راہ اختیار کر لیتے اگر وہ ایسا کرنا چاہتے تو بہر حال حکومت کی قوت اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی ہی۔ لیکن اس کے بجائے اپوزیشن کے ساتھ دستوری مسائل پر گفتگو کرنے پر آمادگی ظاہر کر کے انہوں نے یقیناً دانش مندی کا ثبوت دیا ہے جس کی ہمارے نزدیک قدر کی جانی چاہیئے۔

دوسری طرف یہ پیچیدگی بھی صاف محسوس ہو رہی ہے کہ اپوزیشن نے اب تک جو موقف اختیار کئے رکھا ہے اور جس نہج پر اپنی سیاسی تحریک کو چلایا ہے اس کے پیش نظر اس کے کسی بھی عنصر کے لئے اس وقت حکومت کے ساتھ سیاسی گفت و شنید کی راہ اختیار کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ بائیں بازو کے لوگوں سے تو ظاہر ہے کہ اس وقت کسی گفتگو کا کوئی امکان ہی نہیں۔ انہیں تو اب اس ملک کی سیاست میں حقیقی اور واقعی اپوزیشن کا کردار ادا کرنا ہے۔ معاملہ جو بھی ہو سکتا ہے، دائیں بازو کے ان عناصر ہی سے ہو سکتا ہے جو ڈی اے سی اور صحیح تر الفاظ میں پی ڈی ایم میں شریک ہیں ——— لہٰذا پہلا خطرہ تو یہی ہے کہ مفاہمت کی ادنیٰ ترین کوششوں کو بھی بائیں بازو کی جماعتیں عوامی جد و جہد سے فرار اور عوامی مفادات سے غداری کے نام سے اچھالیں گی ——— پھر پی ڈی ایم خود کوئی ایک سیاسی جماعت نہیں بلکہ کئی سیاسی جتھوں کا مجموعہ ہے۔ مفاہمت کی گفتگو کے شروع ہوتے ہی ان کے باہم ایک دوسرے سے الجھ جانے کا امکان بھی خارج از بحث نہیں۔ گویا چند در چند وجوہ کی بنا پر صدر ایوب سے مفاہمت کی گفتگو فی الوقت ان لوگوں کے لئے بھی بہت مشکل ہو گئی ہے جن کا صدر ایوب اور حکمران پارٹی سے نظریات کا کوئی اختلاف نہیں اور جنہیں بعض فروعی دستوری معاملات کے ذیل میں اپنے بعض مطالبات منوا کر منطق کے ہر اصول کے مطابق "موجودہ حکمران گروہ کے ساتھ ع" آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک" کی سی کیفیت سے بغل گیر ہو جانا چاہیئے۔

تاہم یہ وقت کا ایک اہم تقاضہ ہے جو ہماری رائے میں مشکلات اور موانع کے باوجود

پورا ہوگا ——— اور انتشار، لاقانونیت اور نراج کے خطرات اور خصوصاً طالب علموں کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر ہمارے نزدیک فی الوقت ملک وملت کے مجموعی مفادات کے اعتبار سے یہی مناسب اور صحیح تر بھی ہے۔

اس مقصد کے لئے اس وقت خاص طور پر ایسے لوگوں کو میدان میں آنا چاہیئے جو تحریک مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہے تھے۔ لیکن بعد میں مختلف اسباب کی بنا پر میدان سیاست سے ہٹتے اور گوشہ گیر ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ اس وقت نہ کونسل لیگ سے وابستہ ہیں نہ کنونشن لیگ سے ——— متحدہ ہندوستان جب انگریزکی غلامی سے نجات پانے کی جدوجہد میں مصروف تھا تو بارہا ایسا ہوتا تھا کہ جب حکومت وقت اور تحریک آزادی کی علمبردار جماعتوں کے مابین کسی مسئلے پر ڈیڈلاک ہو جاتا تھا تو کچھ ایسے لوگ حرکت میں آتے تھے جو اپنی نرم طبیعت اور دھیمے مزاج کی بنا پر سرکار دربار میں بھی رسائی رکھتے تھے لیکن ساتھ ہی مخلص محب وطن بھی تھے۔ ایسے لوگ اگرچہ نہ تاریخ تحریک آزادی میں کسی نمایاں حیثیت کے مالک ہیں نہ ہی عوام نے انہیں کبھی اپنا ہیرو تسلیم کیا۔ تاہم اصحاب فہم وبصیرت جانتے ہیں کہ حصول آزادی کی جدوجہد میں انہوں نے بھی ایک مثبت کردار ادا کیا ہے ——— ہماری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ ہماری ملکی سیاست کی موجودہ پیچیدہ صورت حال بھی کچھ ایسے ہی لوگوں کے ناخن تدبیر سے سلجھ سکتی ہے۔ اور اگر ایسے لوگ اس مرحلے پر سامنے نہ آئے تو اندیشہ ہے کہ صورت حال پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی چلی جائے گی اور انتشار بڑھتا چلا جائے گا جس سے پاکستان کا وجود تک خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

(۲)

ماخوذ از "تذکرہ وتبصرہ" میثاق مارچ ۱۹۶۹ء

"غیر فوجی انقلاب" وقت کا وہ "اہم تقاضہ" جس کی جانب ہم نے گذشتہ ماہ اشارہ کیا تھا ہونے کو تو پورا ہوگیا لیکن جو "موانع ومشکلات" اس کی راہ میں پیش آئی ہیں، اور ان کے دوران پاکستان اپنی سیاسی تاریخ کے جس نازک ترین موڑ سے گذرا ہے اس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہے۔

صدر ایوب کی گفت وشنید کی دعوت نے پوری ڈی۔ اے۔ سی کو بالکل اچانک آ لیا تھا چنانچہ کچھ عرصہ تو وہ غریب کشمکش وپنج میں مبتلا رہی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ صدر ایوب تو ایک فرد تھے انہوں نے ایک رخ پر چلتے چلتے اچانک اباؤٹ ٹرن کر لیا۔ لیکن ایک تحریک کی رواں دواں گاڑی کو تو بریک لگاتے لگاتے بھی آخر وقت لگتا ہے دوسری جانب یہ خطرہ بھی واقعی اور حقیقی تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ادھر ایک قیادت عوامی تحریک کو بریک لگا کر نیچے اترے اُدھر دوسری قیادت اس کے انجن کو دوبارہ سٹارٹ کرکے لے کر چلتی بنے۔ تیسری طرف یہ معاملہ بھی صاف تھا کہ اب یہ عوامی تحریک اگر مزید آگے بڑھی تو اس کا روکنا مشکل تر ہو جائے گا اور پھر اس کا تمامتر

فائدہ بائیں بازو کے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔

یہ اسباب و عوامل تھے جن کی بنا پر وہ عمل اندرونی طور پر بڑی تیزی کے ساتھ لیکن ظاہری اعتبار سے بڑی تدریج اور مدھم چال کے ساتھ شروع ہوا جسے اب مسٹر بھٹو بجا طور پر "غیر فوجی انقلاب" (CIVILIAN COUP DE TAT) سے تعبیر کر رہے ہیں[1]

مفاہمت اور مصالحت کا یہ عمل بنیادی طور پر تین لیگوں ہی کے مابین ہوا ہے اور اگر کوئی "عبوری قومی حکومت" وجود میں آئی جس کا امکان بالکل خارج از بحث نہیں تو وہ اصلاً ان لیگ مائے ثلاثہ ہی پر مشتمل ہوگی۔

اس عمل کی مخالفت و مزاحمت بھی جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا، بائیں بازو کے انتہا پسند لوگوں ہی کی جانب سے ہوئی۔ مسٹر بھٹو چونکہ ابھی کوئی مستحکم تنظیم نہیں رکھتے اور بدلتے ہوئے حالات نے گویا کم از کم وقتی طور پر تو ان کے پاؤں تلے سے زمین ہی کھینچ لی ہے لہذا انہیں محض منفعلانہ مخالفت (PASSIVE RESISTANCE) پر اکتفا کرنا پڑا۔ لیکن مولانا بھاشانی چونکہ اپنی پشت پر ایک واقعی عوامی سیاسی قوت بھی رکھتے ہیں لہذا انہوں نے اس مفاہمت کو بر سر میدان للکارا اور بالفعل یہ کوشش کی کہ اب جبکہ ڈی اے سی عوامی تحریک کو بریک لگا رہی ہے وہ خود اس کی قیادت سنبھال کر اپنے پیش نظر انقلاب کی داغ بیل ڈال دیں۔

——— اور واقعہ یہ ہے کہ کم از کم مشرقی پاکستان میں اس "انقلاب" کی ابتدا ہو گئی تھی۔ فروری ۱۹۶۹ء کی سترہ تاریخ سے اکیس تاریخ تک کے چند دن واقعتہً پاکستان کی تاریخ میں وہ تیسرا نازک موقع تھے جبکہ پاکستان کا وجود سخت خطرے سے دوچار تھا۔ اور اس کی سالمیت سخت مشکوک ہو گئی تھی۔

پاکستان کی معجزانہ حفاظت کے پہلے دو مواقع

ہم نے گذشتہ ماہ ان صفحات میں بر سبیل تذکرہ عرض کیا تھا کہ "ہم تحریک پاکستان کے بارے میں تو یہ رائے نہیں رکھتے کہ اس کا اساسی محرک دینی و مذہبی جذبہ تھا لیکن پاکستان کے معجزانہ ظہور ——— اور دو اہم مواقع پر اس کے معجزانہ تحفظ و بقا کی بنا پر یہ احساس ضرور رکھتے ہیں کہ

---

[1] عین اس مرحلے پر جبکہ پاکستان اس "غیر فوجی انقلاب" سے گذر رہا ہے مسٹر آدم ملک وزیر خارجہ انڈونیشیا جہاں کچھ عرصہ قبل ایک باقاعدہ فوجی انقلاب آیا تھا کا دورہ پاکستان اور حکومت پاکستان کی طرف سے سہارتو حکومت کے ساتھ مزید تعلقات بڑھانے کی خواہش کا اظہار بہت معنی خیز ہے!!

پاکستان کا قیام دین کے احیا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور پورے عالم ارضی میں غلبہ اسلام کی خدائی اسکیم کی ایک کڑی ضرور ہے!" تحریک پاکستان کے اساسی محرکات اور پاکستان کے معجزانہ قیام کے ضمن میں تو ہم اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ مارچ تا مئی ۱۹۶۷ء کے "تذکرہ و تبصرہ" میں ظاہر کر چکے ہیں۔ رہے وہ دو اہم مواقع جن پر ہمارے نزدیک پاکستان کے وجود و بقا کا تحفظ بالکل معجزانہ طور پر ہوا تو ان میں سے پہلا موقع تو وہ تھا جب صدر ایوب نے، اس وقت جبکہ وہ پاکستان کے سیاہ و سفید کے بالکل تنہا مالک تھے، امریکی اثرات کے تحت "مشترکہ دفاع" (JOINT DEFENCE) کی تجویز کی صورت میں گویا پاکستان کو چاندی کی طشتری میں رکھ کر بھارت کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت و مشیت کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ پنڈت نہرو کی عقل اس وقت ماری گئی اور انہوں نے کمال رعونت کے ساتھ صدر ایوب کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا[1] اور اس طرح خالصتہً معجزانہ طور پر پاکستان کا مستقل وجود برقرار رہ گیا[2] ——— دوسرا موقع ۱۹۶۵ء کی جنگ تھی جس میں پاکستان کا بچ جانا کسی دنیوی حساب کتاب سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اس کی ایک ہی توجیہہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو پاکستان کا تحفظ و بقا مطلوب ہے!

ہمارے تجزیے میں ہر اعتبار سے ان دونوں مواقع ہی کے برابر نازک موقع سترہ تا اکیس فروری ۱۹۶۹ء کے چند دن تھے اور ہمارے نزدیک اگر اس موقع پر صدر ایوب وہ بھاری قیمت ادا نہ کرتے جو انہوں نے اولاً انتخابات میں حصہ نہ لینے کا اعلان

---

[1] یاد رہے بالکل اسی مقام سے پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کے 'چین نواز' دور کا آغاز ایک بالکل ناگزیر ضرورت کے طور پر ہوا تھا۔ راقم نے بارہا نجی گفتگوؤں میں اس صورت حال کو اس تشبیہہ سے تعبیر کیا ہے کہ امریکہ کے زیر اثر صدر ایوب نے پنڈت نہرو اور بھارت کے سامنے رکوع تو کر لیا تھا لیکن پنڈت جی شاید اپنے تہذیبی پس منظر کی بنا پر چاہتے تھے کہ وہ باقاعدہ سجدہ کریں جیسے ایک مسلمان کا بیٹا گوارا نہ کر سکا چنانچہ بجائے سجدہ کرنے کے صدر ایوب الٹے تن کر کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد مسلسل نہ صرف بھارت بلکہ اس کے معنوی سرپرست امریکہ سے بھی دور ہوتے چلے گئے نتیجتہً پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کا جھکاؤ چین کی جانب ہوتا چلا گیا!

[2] یاد رہے کہ آنجہانی پنڈت نہرو ہی کی ایک پہلی حماقت کے نتیجے میں پاکستان اپنی موجودہ صورت میں دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوا تھا ورنہ مسلم لیگ نے تو کیبنٹ مشن پلان کو قبول کر لیا تھا اور اگر کبھی تین خطوں پر مشتمل 'وہا بھارت' ایک بار وجود میں آ جاتا تو پھر کسے معلوم کہ پھر علیحدگی کبھی ممکن ہو سکتی یا نہیں!

کرکے ادا کی جو ایک کھلے اعتراف شکست کے مترادف تھا اور پھر اگرتلہ سازش کیس واپس لے کر ادا کی جو داخلی و بین الاقوامی دونوں حیثیتوں سے سخت ذلت آمیز صورت تھی تو کم از کم مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی کے جاری کردہ "انقلاب" کو روکنے کی کوئی صورت ممکن نہ تھی! ——— [1]

اور اس صورت میں مشرقی و مغربی خطوں کے حالات ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہو جاتے کہ پھر ان کے ساتھ رہنے کی کوئی صورت ممکن نہ رہتی اور عوامی جمہوریہ چین کی زیر سرپرستی مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال پر مشتمل ایک علیحدہ کمیونسٹ ریاست کے قیام کی راہ ہموار ہو جاتی [2]

ہمارے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے پاکستان اور اہل پاکستان پر کہ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اس موقع پر بالکل گھٹنے ٹیک دینے کی سخت ذلت آمیز کیفیت کو گوارا کر لیا اور اس طرح پاکستان کی سالمیت کو جو خطرہ لاحق ہو گیا تھا وہ کم از کم فوری طور پر ٹل گیا ——— !

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی پہلی نشست اگرچہ کل نصف گھنٹے کی تھی اور اس کی نوعیت خالص رسمی ملاقات کی تھی تاہم اس سے آئندہ صورت حال کا پورا نقشہ سامنے آ گیا ہے اور اگرچہ فی الحال شرکائے کانفرنس بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں چنانچہ کسی جانب سے "عبوری قومی حکومت" کا نام لیا جا رہا ہے اور کوئی صرف نئے انتخابات تک کے لئے "عارضی نگران ادارے" کا نام لے رہا ہے۔ کوئی ۱۹۵۶ء کے دستور کی کامل بحالی کا مطالبہ کر رہا ہے تو کوئی بالکل نئے سرے سے دستور سازی کا تقاضہ کر رہا ہے۔ ون یونٹ توڑنے کا مطالبہ تو پہلے ہی تھا۔ اب شیخ مجیب الرحمان صاحب مشرقی و مغربی خطوں کے مابین مساوات (PARITY) کے اصول کو بھی ختم کرنے پر تل گئے ہیں غرضیکہ

---

[1] مولانا بھاشانی کی سیاسی قوت کا جو مظاہرہ اس موقع پر ہوا وہ بہت حیرت انگیز تھا۔ شیخ مجیب الرحمان پیرول پر رہائی کی صورت میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہی نہیں بے تاب تھے۔ لیکن مولانا بھاشانی کی سیاست نے پورے ملک کو تعطل اور گومگو کی کیفیت میں مبتلا کئے رکھا تا آنکہ صدر ایوب نے متذکرہ بالا بھاری قیمت ادا کر کے مولانا بھاشانی کو بے بس کر دیا!

[2] مغربی بنگال کے درمیانی زمانے کے انتخابات کے جو نتائج حال ہی میں سامنے آئے ہیں ان کے پیش نظر یہ خطرہ خیالی و وہمی نہیں ——— بالکل حقیقی تھا! ——— !

وہ تمام مسائل از سرِ نو اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن کی بنا پر پاکستان میں دستور سازی کے کام میں ابتداءً تاخیر و تعویق ہوئی تھی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ پاکستان کی ان تمام دستوری پیچیدگیوں کے حل کی عملی صورت کیا ہوگی ——— تاہم یہ بات واضح ہے کہ کنونشن، کونسل اور عوامی تینوں لیگوں ہی کے مابین کچھ لے اور دے کر اور کسر و انکسار کے اصول کے تحت کوئی معاہدہ ہو جائے گا اور ان ہی کے اتحاد و اتفاق سے کوئی مضبوط حکومت مرکز میں بن سکے گی۔

——— دوسری جانب یہ بھی بالکل واضح ہے کہ مولانا بھاشانی اور مسٹر بھٹو کے اتحاد سے اصل اپوزیشن وجود میں آئے گی اور مقابل کے اصل دھڑے یہی دو ہوں گے۔ باقی رہے ڈی اے سی کے دوسرے شرکاء تو ان میں سے بعض ادھر اور بعض ادھر ہو جائیں گے۔ مغربی پاکستان کا دولتانہ و قصوری گروپ اور مشرقی پاکستان سے شیش نکاتی عوامی لیگ کے انتہا پسند طبقات اپوزیشن کی جانب آئیں گے۔ اور مذہبی جماعتوں میں سے جمعیت علمائے اسلام بلا واسطہ یا بالواسطہ ان ہی کے پلڑے میں وزن ڈالے گی ——— دوسری طرف نظام اسلام اور جماعت اسلامی چاہے فوراً حکومت میں شرکت کو ترجیح دیں یا فی الحال باہر رہنے کو پسند کریں، بہرحال مذکورہ بالا اتحادِ ثلاثہ کو سہارا دیں گی ——— !!

آئندہ کی سیاست کا عملی نقشہ یہ بنے یا کوئی اور، ہماری دلی خواہش جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا صرف یہ ہے کہ سارے معاملات سیاست کے کھلے میدان میں معروف طریقے پر طے ہوں اور نہ تشدد، انارکی اور ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو نہ انقلابی طور طریقے اختیار کیے جائیں۔

خدا کرے کہ اب ملک کے دونوں خطوں میں حالات معمول پر آجائیں، تعلیمی ادارے کھل جائیں اور زندگی کا عام کاروبار معمول کے مطابق جاری رہے اور طوفانی سیاست کی کوئی نئی لہر ملک کو اپنی گرفت میں نہ لے لے[1] اس لئے کہ اب اگر کوئی نئی لہر اٹھی تو اس کا رنگ بالکل مختلف ہوگا۔ صدر ایوب اور ان کی حکومت تو اب میدان سے عملاً ہٹ ہی گئے ہیں۔ اب اگر تصادم ہوا تو عوام کا عوام سے ہوگا اور اس کے نتائج نہایت سنگین ہوں گے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ مولانا بھاشانی اور مسٹر بھٹو دونوں اپنی موجودہ شکست کو کھلے دل سے قبول کر کے معروف طریقے پر اپوزیشن کا کردار اختیار کر لیں اور اپنی قوت کے مظاہرے اور کسی انقلابی اقدام کا خیال دل میں نہ آنے دیں ——— بصورت دیگر پاکستان کے مشرقی و مغربی دونوں خطوں میں عوامی تصادم شدید ترین صورت میں ظاہر ہوگا۔ مشرق میں اصل مقابلہ مولانا بھاشانی اور شیخ مجیب الرحمان کے مابین ہوگا۔ اور مغرب

---

[1] افسوس کہ طوفانی سیاست کی یہ لہر اور عوامی مظاہروں اور ہنگاموں کا تیسرا شدید ریلا مارچ ۱۹۶۹ء ہی میں آ گیا۔ جس کے نتیجے میں صدر ایوب نے ملک کو فوج کے حوالے کر دیا اور پاکستان میں دوسری بار مارشل لا نافذ ہو گیا۔

ہیں مسٹر بھٹو اور جماعت اسلامی کے حامی طلبہ ہیں۔ مغرب میں تو دھمکیوں اور جوابی دھمکیوں کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ مشرق میں فی الحال خاموشی ہے۔ لیکن یہ خاموشی کسی بہت بڑے ٹکراؤ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے ——— !!

اللہ تعالیٰ ہی اس نازک موقع پر پاکستان کی حفاظت فرمانے والا ہے !!

(۳)

ماخوذ از "تذکرہ و تبصرہ" میثاق مئی ۱۹۶۹ء

دوسرا مارشل لاء

ملک میں مارشل لا نافذ ہوئے سوا مہینہ ہو گیا ہے اور اس عرصے میں وہ گومگو کی سی کیفیت اور غیر یقینی سی صورت حال ختم ہو چکی ہے جو کسی اچانک تبدیلی کے بعد کچھ عرصہ تک فطری طور پر طاری رہتی ہے۔ اس دوران میں نہ صرف یہ کہ حالیہ فوجی حکومت کے ذمہ دار حضرات نے قوم کو بار بار یہ اطمینان دلایا ہے بلکہ اب تو ان کے طرز عمل سے بھی بہت حد تک ثابت ہو گیا ہے کہ نہ وہ کوئی سیاسی عزائم رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے دورِ اقتدار کو غیر ضروری طول دینے کے خواہش مند ہیں بلکہ ان کا مقصد محض ایک ایسی صورت حال کو جو بالکل بے قابو ہوتی جا رہی تھی قابو میں لانا اور ملک کی سیاسی زندگی کی گاڑی کو از سرِ نو صحیح پٹڑی پر ڈالنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ امر انتہائی اطمینان بخش ہے اور موجودہ فوجی قیادت اس پر پوری قوم کے تشکر و امتنان کی مستحق ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حالیہ مارشل لاء گذشتہ مارشل لا سے بہت مختلف ہے جو بڑی آن بان کے ساتھ ملک و ملت کے جملہ عوارض و امراض کی مسیحائی کے دعوے کے ساتھ آیا تھا اور جس نے صرف ایک نیا تنظیمی ڈھانچہ ہی نہیں بلکہ ایک مکمل جدید سیاسی فلسفہ اور مختلف عمرانی معاملات حتیٰ کہ دینی و مذہبی مسائل میں بھی ایک نیا اندازِ فکر قوم پر مسلط کرنے کی کوشش کی تھی ——— حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے معاملات مارشل لاء کے فطری دائرہ کار سے باہر ہیں۔ مارشل لاء کبھی کسی قوم یا ملک کے امراض و عوارض کا مستقل یا پائدار علاج نہیں بن سکتا۔ اس کی مثال زیادہ سے زیادہ ان فوری اور سریع الاثر مگر خالص وقتی اور عارضی افاقہ بخش ادویہ کی سی ہے جو کسی مرض کی بحرانی کیفیت میں فوری خطرے کو ٹالنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

ہم ان صفحات میں اس سے قبل بھی عرض کر چکے ہیں اور اب پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ دیانت دار اور باشعور سیاسی کارکنوں، منظم و محکم سیاسی جماعتوں اور مسلسل اور پیہم سیاسی سرگرمی کا فقدان ہماری قومی و ملی زندگی کا ایک مہیب اور خطرناک خلا ہے جسے لازماً پُر کیا جانا چاہیئے ——— اب ظاہر ہے کہ یہ خلا اگر پُر ہو سکتا ہے تو سیاسی سرگرمی ہی سے ہو سکتا ہے کوئی دوسری چیز اس کا بدل نہیں بن سکتی اور مارشل لاء ہرگز اس خلا کو پُر نہیں کر سکتا ——— مارشل لاء زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہے کہ ملک کی انتظامی مشینری کو پوری رفتار سے حرکت میں لے

آئے۔ سستی اور کاہلی کا قلع قمع کر دے۔ سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں جمع شدہ کام تیزی سے پورا کرا دے۔ دھاندلی اور غنڈہ گردی کا سدباب کر دے۔ شہری زندگی کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کرا دے اور سرکاری واجبات کی وصولی کا فوری بندوبست کرا دے اور الحمد للہ کہ یہ سارے کام پورے زور شور کے ساتھ اس وقت جاری ہیں ——— رہا ملک اور قوم میں فکری و نظریاتی ہم آہنگی پیدا کرنا اور ملک و ملت کو ایک جذبۂ تازہ دے کر سرگرم عمل کرنا تو ظاہر ہے کہ نہ کسی فوجی حکومت سے اس کی توقع کی جاتی ہے اور نہ ہی، خدا کا شکر ہے کہ ان معاملات میں موجودہ فوجی قیادت نے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ کسی بھی بڑی مہم کا آغاز ہی کیا ہے ——— خدا کرے کہ یہ صورت حال برقرار رہے ——— اور صدر مملکت آغا محمد یحییٰ خاں اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کرنے کی بجائے جلد از جلد ان سے سبکدوش ہونے کی کوشش کریں۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو ایک طرف تو ہر چڑھتے سورج کی پرستش کو اپنا فرض عین سمجھتے ہیں اور دوسری طرف ہر اس شخص کو جو کسی وقت کسی طرح برسر اقتدار آجائے قوت و اقتدار کے نشے میں مست کر کے اس کے ذریعے اپنا الو سیدھا کرنے میں بھی بدطولیٰ رکھتے ہیں ——— ایسے لوگ سروسز میں بھی کثرت سے ہیں اور پرانے زمینداروں اور نئے صنعت کاروں میں بھی۔ حال ہی میں ان کی صفوں میں کچھ سرگرمی کے آثار بھی نظر آئے ہیں ——— خدا کرے کہ موجودہ فوجی قیادت ایسے لوگوں کے منحوس اثرات سے محفوظ رہے۔ اور کم سے کم مدت میں ان نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو کر جو اس وقت اس کے کاندھوں پر آگئی ہیں اپنی تمام تر توجہات اور مساعی کو اپنی اصل اور مستقل ذمہ داری یعنی دفاع وطن عزیز پر مرکوز کر دے۔

——— ہم سے طلب فرمائیے ———

مولانا امین احسن اصلاحی کا ایک بصیرت افروز مقالہ

اقامتِ دین کے لیے انبیاء کرام کا طریق کار

سائز ۱۸ × ۲۲/۸ صفحات ۳۲، قیمت : پچاس پیسے

(تقسیم عام کے لئے رعایتی قیمت : ۲۰/۰۰ روپے سینکڑہ)

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

جمہوریت، سوشلزم اور اسلام

(۱)

اصل نوعیت مسئلہ

"ہمارے نزدیک اس وقت ملک کی داخلی سیاست کے اصل بنیادی مسائل دو ہیں: ایک یہ کہ سیاسی اختیارات ——— جو مختلف اسباب و عوامل کی بنا پر عوام کے بجائے نوکر شاہی کے منتخبے میں چلے گئے ہیں۔ وہ اختیار و اقتدار کے اصل مالکوں یعنی جمہور کو منتقل کئے جائیں اور دوسرے یہ کہ دولت اور خصوصاً ذرائع پیداوار جو عوام الناس کے بجائے ایک مخصوص طبقے کی اجارہ داری بن گئے ہیں انہیں پوری قوم میں عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کیا جائے ——— گویا کہ پہلی "سلطانیٔ جمہور" کے نظام کے واقعی اور حقیقی نفاذ کی کوشش ہے اور دوسری "دور سرمایہ داری" کے مخوس اثرات اور نقوش کہن کو مٹانے کی سعی و جہد ہے۔

ہمارے نزدیک یہ دونوں ہی کوششیں درست بھی ہیں اور مبارک بھی! اور ملک کے ہر ذی شعور شہری کا فرض ہے کہ وہ ان میں اپنی اپنی صلاحیت، استعداد اور قوت کار کے مطابق حصہ لے۔ اسلام کے نزدیک یہ دونوں ہی مقاصد محمود ہیں۔ اسلام ایک طرف اسے بھی گوارا نہیں کرتا کہ بندگانِ خدا کی گردنوں پر کوئی ایک فرد یا کچھ افراد یا کوئی مخصوص طبقہ خدائی کا تخت جما کر بیٹھے ——— اور دوسری طرف عدل و انصاف پر بھی انتہائی زور دیتا ہے۔ چنانچہ "وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ"[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے ہے اور "لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"[2] کتاب الٰہی کا مقصد نزول ہے

---

[1] سورۂ شوریٰ۔ رکوع ۱، ترجمہ: "اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے مابین انصاف کروں!"

[2] سورۂ حدید۔ رکوع ۳، " : "تاکہ لوگ عدل و انصاف کے نظام پر قائم رہیں!"

اور " دُولَۃً بَیْنَ الاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ[1]" کی کوئی صورت اسلام کے نزدیک کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں !

لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں اس وقت ان دونوں ہی میں شدید افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے۔ دایئں بازو کے اہل سیاست نے صرف پہلے کام پر نگاہوں کو مرکوز کر دیا ہے اور دوسرے معاملے کے ضمن میں وہ " وعدۂ فردا " سے آگے قدم بڑھانے کو تیار نہیں اور مزید بدقسمتی یہ کہ "سلطانیٔ جمہور" کے ذیل میں بھی ان کے سارے تصوّرات یورپ کے مبنی بر الحاد فکر سے مستعار لئے ہوئے ہیں ——— دوسری طرف بایئں بازو کے حامی لوگوں نے اپنی اصل توجہ دوسرے کام پر مرکوز کر دی ہے اور عدل اجتماعی کے لئے نظام بھی ان کے پیش نظر خدا تعالیٰ کا عطا کردہ نہیں، مارکس، لینن اور ماؤزے تنگ کا وضع کردہ ہے ——— !!

اس صورت حال میں ہر اس شخص کے لئے جو اوّل و آخر صرف مسلمان ہو اور جس کے نزدیک دین و مذہب ہر چیز پر مقدّم ہو، ایک اہم لمحۂ فکریہ ہے ——— ایسے سب لوگوں کو خواہ وہ موجودہ سیاسی سرگرمی میں کسی حیثیت سے شریک ہوں، خواہ کسی خالص غیر سیاسی کام میں مصروف ہوں اس صورت حال کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنا چاہیئے اور آئندہ پیش آنے والے حالات کے مدّ نظر دین کے احیاء اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مناسب لائحہ عمل طے کرکے اس پر عمل پیرا ہو جانا چاہیئے ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے !"

(ماخوذ از "تذکرہ وتبصرہ" میثاق جنوری ۱۹۶۹ء)

——— (۲) ———

خواہ مخواہ کا بپتسمہ اور فتووں کا تکلف

حال ہی میں جمعیت علمائے اسلام کی پاکستان میں نشاۃ ثانیہ کے اصل معمار مولانا غلام غوث ہزاروی کے ایک بیان پر جو لے دے ہوئی ہے اس سے یہ بحث زور شور کے ساتھ شروع ہو گئی ہے کہ آیا سوشلزم کا اسلام کے ساتھ پیوند لگ سکتا ہے یا نہیں۔ ہم نے گذشتہ شمارے میں جمعیت کے بارے میں جو تفصیلی رائے پیش کی تھی، مولانا غلام غوث صاحب کے اس بیان سے اس کے اہم ترین جزو کی تصدیق ہو گئی۔ مولانا کے اس بیان کا اصل تعاقب حلقۂ دیوبند ہی کے ان علماء کی جانب سے ہوا ہے جنہوں نے ماضی میں تحریک مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا۔ ان حضرات کی ہمارے دل میں

[1] سورۃ حشر۔ رکوع ۱، ترجمہ : "(سرمایہ) کا الٹ پھیر اہل ثروت ہی کے مابین !"

واقعۃً بڑی عبرت ہے۔ لیکن انہوں نے سوشلزم کو اسلام کی عین ضد اور جمہوریت کو عین اسلام ثابت کرنے کے لئے جس قسم کے دلائل دیئے ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے بھاری بھرکم لوگوں کی جانب سے اور ایسی بچگانہ باتیں[1]

> اسلام بلاشبہ اپنی ذات میں ایک مکمل نظام ہے اور اساسی عقائد و نظریات سے لے کر حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں کی تفصیلی تشکیل تک اس کا اپنا ایک منفرد مزاج ہے جو کسی دوسرے نظریے یا نظام کی پیوند کاری قبول نہیں کرتا۔

چنانچہ نہ اس کے کسی جزو کا پیوند کسی اور نظام کو لگایا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی اور نظام کے کسی جزو کی پیوند کاری اس کے ساتھ ممکن ہے۔ لیکن اگر اس بنا پر کہ اس کے سیاسی و انتظامی ڈھانچے کے بعض اجزا جمہوریت کے بعض اجزا سے جزوی مشابہت رکھتے ہیں، اس کا تعلق جمہوریت کے ساتھ قائم کیا جاسکتا ہے تو یقیناً اس کے معاشی نظامِ عدل و قسط کے بھی بعض اجزا سوشلزم کے بعض اجزا سے مطابقت رکھتے ہیں اور اس بنا پر اسلام کا رشتہ سوشلزم کے ساتھ بھی ممکن ہے ——— بلکہ ہمیں یہ کہنے میں بھی باک نہیں کہ خلافتِ راشدہ میں خلیفہ کی ذات میں اختیارات کا جس قدر ارتکاز تھا اس سے مشابہت کی بنا پر آمریت کا رشتہ بھی اسلام کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے ——— ! اسلامی نظامِ معیشت و حکومت کا عروج یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور اس میں جہاں جمہوریت کاملہ کے ایسے مظاہر دیکھنے میں آتے تھے کہ ایک عام مسلمان ان کو برسرِ منبر ٹوک دیتا تھا وہاں ان کے سفرِ بیت المقدس میں سوشلزم کی بلند ترین منزل کی شان بھی موجود ہے۔

ویسے ہمارے نزدیک ان دونوں ہی کے ساتھ اسلام کا رشتہ جوڑنے کی کوشش کرنا تراتکلف ہے ہمارے یہاں نہ حامیانِ جمہوریت، جمہوریت کے داعی اس لئے بنے ہیں کہ انہیں اسلام کی بارگاہ سے

---

[1] اس میدان میں اوّل اوّل تو مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی تشریف لاتے تھے لیکن انہوں نے دعوے ہی پر اکتفا کی، دلائل کوئی نہ دیئے ——— اس کے بعد جب ایک موقع پر اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے داعیٔ اعظم اور دورِ جدید میں اسلام کے مفکرِ اعلیٰ نے جمہوریت کے عین اسلام ہونے کے لئے یہ دلیل ارشاد فرمائی کہ "ہماری فقہ کی کتابوں میں جمہور کی اصطلاح کا بکثرت استعمال ہوا ہے!" تب تو واقعہ یہ ہے کہ "ناطقہ سربگریباں" ہو کر رہ گیا ——— کہ اب کوئی کیا کہے اور کیا لکھے ——— اس لئے کچھ کہنے سننے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی ——— البتہ اس قدر گذارش کئے بغیر رہا بھی نہیں جاتا کہ حضرت! اگر اسی اصول پر کسی نے یہ دلیل دے دی کہ چونکہ ہماری فقہ کی تمام کتابوں میں 'شراکت' پر مستقل باب موجود ہیں لہذا 'اشتراکیت' بالکل درست اور از روئے اسلام بالکل جائز ہے تو کس بھاؤ تلے گی؟

اس کا حکم ملا ہے اور نہ ہی سوشلزم کے حامی اس کی جانب اس لئے جھکے ہیں کہ انہیں اسلام کا تقاضہ یہی معلوم ہوا ——— یہ سب کچھ تو تاریخ کے ایک عام بہاؤ کے تحت ہو رہا ہے جو گذشتہ دو تین صدیوں سے خالصتاً غیر مذہبی و لادینی رخ پر بہہ رہا ہے۔ اور جس میں مذہب سے سرے سے کوئی بحث (REFERENCE) ہی نہیں حامیان دین و مذہب کی اس عام بہاؤ کے زیر اثر پیدا ہونے والے مختلف رجحانات کو پسپا دینے کی کوشش بالکل خواہ مخواہ ہے ——— !

موٹی سی بات ہے کہ فکر و فلسفے کے اعتبار سے موجودہ پوری دنیا کا امام تا حال یورپ ہے۔ اور جو خالص بے خدا و مادہ پرستانہ تہذیب وہاں سے اٹھی تھی وہ تا حال پورے کرۂ ارضی پر حکمران ہے۔ وہاں کے ازمنۂ وسطیٰ کے جاگیرداری نظام (FEUDAL SYSTEM) کی کوکھ سے خالص تاریخی عوامل کے زیر اثر جو جمہوری نظام برآمد ہوا تھا اس نے اولاً سیاسی شعبہ زندگی میں جمہوریت (DEMOCRACY) کی صورت اختیار کی۔ جس کے مختلف ممالک میں مختلف ایڈیشن تیار ہوئے۔ اسی جمہوریت نے بعد میں معاشی نظام میں آزاد معیشت کی راہ سے سرمایہ داری (CAPITALISM) کی کریہہ صورت اختیار کر لی جس کا ردّ عمل سوشلزم اور کمیونزم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جو درحقیقت نظریہ و فکر کے اعتبار سے اسی قدیم لادینی مادہ پرستانہ سلسلہ فکر کی اگلی منطقی کڑی اور نظام کے اعتبار سے سرمایہ داری کا قدرتی ردّ عمل ہے ——— اس ردّ عمل کے بھی مختلف ملکوں میں مختلف ایڈیشن تیار ہوئے اور اس میں مادر پدر آزاد معیشت کی تباہ کاریوں کی روک تھام میں انسان نے ایک دوسری انتہا پر پہنچ کر فرد کی آزادی کو بالکل سلب کر کے اسے اجتماعیت کے کاملہ بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اس کے باوجود چونکہ اس صورت میں بھی انسان اپنے اوپر کسی اور بالاتر اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا سوشلزم کے تمام ایڈیشن بھی چاہے وہ روسی ہوں یا چینی مدعی جمہوریت ہی کے ہیں ——— چنانچہ اس وقت عالمی کمیونسٹ تحریک کا سب سے بڑا علمبردار ملک بھی "عوامی جمہوریہ چین" ہی کہلاتا ہے ——— !!

سیاسی و معاشی نظاموں کے انقلابات کا یہ سلسلہ اولاً تو صدی ڈیڑھ صدی میں تکمیل کو پہنچا تھا لیکن اب دنیا کے تمام زیر ترقی ممالک میں یہ داستان بڑی تیزی کے ساتھ دوہرائی جا رہی ہے اور یہ حالات کا ایک خالصتاً اپنا رخ ہے جو کسی مرحلے پر بھی دین و مذہب سے کوئی فتویٰ طلب نہیں کرتا۔ مفتیان دین و مذہب خواہ مخواہ اس کے مختلف موڑوں پر اپنے دارالافتاء سے فتوے صادر کرنے کا تکلف کرتے رہتے ہیں۔

پاکستان بھی ایک نیم ترقی یافتہ اور نیم پس ماندہ ملک ہے اور اس میں بسنے والے عوام بھی ایک نیم خوابیدہ و نیم بیدار قوم ہیں۔ اس نیچے دروں و نیچے بروں حالت میں جتنے دوسرے ممالک مبتلا ہیں، عام اس سے کہ وہ

مسلمان ہیں یا غیر مسلم، جو کچھ وہاں ہو رہا ہے وہی یہاں ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے ——— اور ہوتا رہے گا۔ جب تک کہ دین و مذہب اس معاشرے میں واقعتہً ایک موثر عامل کی حیثیت اختیار نہ کر لیں ——— جس کے امکانات بحالات موجودہ دُور دُور تک نظر نہیں آتے !!

ہمارے اس وقت کے چند اجتماعی مسائل کی اصل صورت یہ ہے کہ :-

۱: آج سے اکیس سال قبل آزادی کی صورت میں دفعتہً جو سیاسی حقوق و اختیارات ہمارے ہاتھ آئے، ہم بحیثیت قوم اس کے اہل ثابت نہیں ہوئے اور چاہے یہ کہہ لیا جائے کہ یہ حقوق و اختیارات عوام کے ہاتھوں تک کبھی پہنچے ہی نہیں بیچ ہی میں کچھ جاگیرداروں (FEUDAL LORDS) اور کچھ سابق حکمرانوں کی تربیت دادہ سروسز (SERVICES) نے انہیں اُچک لیا۔ خواہ یہ کہہ لیا جائے کہ عوام اس کے لئے تیار نہ تھے لہٰذا رفتہ رفتہ یہ اختیارات پہلے چند پیشہ ور سیاست دانوں اور پھر ان کے بھی نا اہل ثابت ہو جانے پر کلیتہً سروسز کو منتقل ہو گئے۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے اور اس کا ردّ عمل عوامی جمہوریت کی بحالی یا از سرِ نو قیام کی کوششوں کی صورت میں ظاہر ہوا ہے !

۲: آزادی کے وقت ہمارا ملک ایک خالص زرعی ملک تھا۔ اور ان اکیس سالوں کے دوران رفتہ رفتہ صنعت نے ترقی کی۔ تا آنکہ اب ہم ایک نیم زرعی و نیم صنعتی ملک بن چکے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ سارا کام مغرب سے مستعار لئے ہوئے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے تحت ہوا ہے۔ لہٰذا ہمارے یہاں بھی سرمایہ داری اپنی کریہہ ترین صورت میں ظہور پذیر ہو چکی ہے۔ چنانچہ ملک کی زرعی دولت پر جو اجارہ داری پہلے سے قائم تھی اس میں مزید اضافہ یہ ہوا کہ ملک کی پوری صنعت و تجارت پر بھی چند خاندانوں کا قبضہ ہو گیا ہے ——— اس کے ردّ عمل کے طور پر یہاں بھی وہی کچھ سوچا جا رہا ہے جو دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک میں سوچا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ تقسیم دولت اور ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت کے پورے نظام کو بیخ و بن سے اکھیڑ ڈالا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں ردّ عمل تاریخ کے متذکرہ بالا عمومی بہاؤ ہی کے اجزا ہیں اور ان میں سے کسی کا بھی کوئی تعلق دین و مذہب سے نہیں !! ——— !!

لیکن چونکہ اتفاقاً ہمارے ملک کے عوام کو مذہب سے ایک جذباتی سا تعلق بھی ہے لہٰذا اس غریب کا نام خواہ مخواہ اچھالا جاتا ہے۔ خود تحریک پاکستان کے دوران بھی جس کے اصل اساسی عوامل معاشرتی و معاشی تھے، اس کا نام زور شور سے لیا گیا اور پاکستان کا مطلب ہی "لا الٰہ الا اللہ" بتایا گیا جس کی حقیقت آج روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ربع صدی گذر جانے کے باوجود اس غریب اسلام کا زیادہ سے زیادہ اتنا ہی نام نشان یہاں نظر آتا ہے جتنا ہندوستان کے مسلمانوں میں۔ بلکہ ہمارے اندازے کے مطابق اس سے بھی کم ——— اور اب

بھی مختلف عمرانی نظریات کے حامل لوگ خواہ مخواہ اس کا نام بدنام کرنے پہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں ——— !!

(ماخوذ از 'تذکرہ و تبصرہ'، میثاق فروری ۱۹۶۹ء)

شریعتِ اسلامی میں دستوری اور معاشی مسائل کے حل کے لیے وسیع گنجائشیں موجود ہیں

سوچنا چاہیئے کہ اس وقت جو مسائل بالعموم ملک اور قوم کے سامنے ہیں ان میں سے آخر کون سے مسئلے کا کوئی خاص تعلق دین و مذہب سے ہے؟ طرزِ حکومت وحدانی ہو یا وفاقی، جمہوریت صدارتی ہو یا پارلیمانی، انتخابات بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ، مغربی پاکستان ایک صوبہ رہے یا دوبارہ متعدد صوبوں میں منقسم ہو جائے۔ جس طرح ان تمام مسائل میں اسلام کا کوئی ایک منصوص حکم نہیں ہے بلکہ حالات و ضروریات کے اعتبار سے مناسب تر کوئی صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے اسی طرح ان مسائل میں بھی اسلام میں حالات و ضروریات کے مطابق مناسب صورتیں اختیار کرنے کی بڑی گنجائش ہے کہ زمین کا بندوبست کن بنیادوں پر ہو اور بڑی بڑی صنعتوں اور ذرائع پیداوار پہ انفرادی ملکیت برقرار رکھی جائے یا انہیں اجتماعی ملکیت قرار دے کر حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے۔ مزارعت کا مسئلہ ہمارے یہاں سلف سے متنازعہ فیہ چلا آرہا ہے اور حضرت عمرؓ نے مفتوحہ علاقوں کو مجاہدین کے مابین تقسیم کرنے کی بجائے پوری ملت اسلامی کی اجتماعی ملکیت قرار دے کر ایک اہم اجتہاد فرمایا تھا جس پہ پوری امت کا اجماع بھی ہو گیا تھا لہٰذا ان مسائل میں دلیل کی بنیاد پر کوئی ایک یا دوسرا موقف تو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنی کسی رائے کو اسلام کا حتمی فیصلہ قرار دے کر یقیناً آراء کو کفر و الحاد قرار دے دینا یقیناً زیادتی اور حدود سے تجاوز ہے۔ ہماری رائے میں بالکل صحیح کہا ہے مولانا غلام غوث ہزاروی نے کہ اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام مسائل و معاملات اور ان کی پیچیدگیوں اور مشکلات کا صحیح فہم حاصل کیا جائے اور ان کے حل کی مخلصانہ کوشش کی جائے نہ یہ کہ جو بھی ذرا عام روش سے ہٹ کر بات کرے اس کے خلاف کفر و الحاد کے فتووں کی توپیں داغنی شروع کر دی جائیں ——— !!

پاکستان میں بحالی جمہوریت کے علمبردار اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اب پھر بس قبل از مارشل لا کی سی جمہوریت ملک میں دوبارہ قائم ہو سکتی ہے اور بالکل اسی طرح کے سے حالات لوٹ کر آ سکتے ہیں تو وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اس ملک میں اب حقیقی عوامی سیاست کے دور کا آغاز ہو رہا ہے اور جمہور اب صرف اس بات پہ کبھی قانع نہ ہوں گے کہ ان کو 'ووٹ' کی صورت میں سرمایہ داروں سے کچھ 'نوٹ' حاصل کرنے کا ایک کاغذی ساحق مل جائے بلکہ وہ اپنے تمام سیاسی و معاشی حقوق کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے سے گریز نہیں کریں گے۔ اس صورت حال میں اگر کسی نے مذہب کو ان کے خلاف دلیل کی حیثیت سے استعمال کیا تو اس کا ایک ہی نتیجہ نکلے گا اور وہ یہ کہ مذہب

کے ساتھ عوام کا رہا سہا تعلق بھی ختم ہو جائے گا اور مذہب سے بیزاری کی عام رَو چل نکلے گی۔ تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور ہوشمند لوگوں کو ان سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ (ماخوذ از "تذکرہ وتبصرہ" میثاق مارچ ۱۹۶۹ء)

(۴)

مذہبی سیاست کی بے بسی اور کرنے کا اصل کام

جمعیت علماء اسلام کا ذکر تو اس وقت رہنے دیجئے اس لئے کہ وہ پاکستان کی موجودہ سیاست کے میدان میں فی الحال نو وارد ہے اور ابھی اس کی سیاست کے خطوط بالکل مبہم ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ این اے پی اور پی پی پی کے دوش بدوش نظر آتی ہے اور کبھی پی ڈی ایم سے اشتراک کرتی دکھائی دیتی ہے اور کبھی ایک پلڑے میں وزن ڈالتی ہے کبھی دوسرے میں ——— !!

البتہ جماعت اسلامی اس لئے قابل ذکر ہے کہ اسے پاکستان کی سیاسیات میں برسرِ عمل ہوئے پورے اکیس سال بھی ہو چکے ہیں اور اس پورے عرصے میں وہ اس امر کی مدعی بھی رہی ہے کہ اس کی اصل مقصد احیائے اسلام اور اقامتِ دین ہے !!

ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس پورے سفر کے دوران اس کی دینی و مذہبی حیثیت اگر کوئی تھی بھی تو کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو چکی ہے اور وہ تاریخ کے بہاؤ کا رخ موڑنے کی بجائے خود متذکرہ بالا تاریخی بہاؤ کے رخ پر بہہ نکلی ہے ——— !! اور اب چاہے ایک مضبوط اور منظم گروہ کی حیثیت سے ملکی سیاست کے میدان میں اس نے اپنا کوئی وقار قائم کر بھی لیا ہو۔ دینی و مذہبی حیثیت سے اس کی سرے سے کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ——— !

پاکستانی سیاست کے افق پر اوّل اوّل جماعت اسلامی بڑے اعتماد اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ نمودار ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ تحریکِ پاکستان ہی کے جذباتی پس منظر کو اجاگر کر کے اور "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" کے خالص مسلم لیگی نعرے کو اپنا کر، اسلامی دستور و قانون کے نفاذ کے نام پر وہ انقلاب قیادت کی مہم تنہا اپنے بازو کے بل پر بہت جلد سر کر لے گی۔ چنانچہ اس وقت اگر کسی اور نے اس کو تعاون و اشتراک کی پیش کش بھی کی تو اس نے نہایت حقارت کے ساتھ اس کو ٹھکرا دیا۔

لیکن جلد ہی معلوم ہوا کہ مسئلہ اتنا آسان نہیں اور تنہا اپنے زور بازو سے کام نہیں چل سکے گا تو جماعت نے مذہب ہی کے نام پر علماء اور مذہبی جماعتوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی اور ایک عرصے تک جماعت اسلامی کی مذہبی سیاست "علما کے متحدہ و متفقہ مطالبات" کی بنیاد پر چلتی رہی۔

لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد پھر محسوس ہوا کہ چڑھائی بہت سخت ہے اور گاڑی اس سیکنڈ گیئر میں بھی آگے نہیں

احساس ضرور رکھتے ہیں کہ پاکستان کا قیام دین کے احیاء اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور پورے عالم ارضی میں غلبۂ اسلام کی خدائی سکیم کی ایک کڑی ضرور ہے۔ اور اسی بنا پر ہمیں اس کا بقا و وجود بھی عزیز ہے اور اس میں انتشار اور انارکی کسی صورت گوارا نہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس مبارک انقلاب کی ابتداء سیاسی میدان سے نہیں بلکہ علم و فکر اور فلسفہ و حکمت کے میدان سے ہوگی۔ اور ایک علمی و تعلیمی انقلاب کے سوا اس کی کوئی راہ موجود نہیں ——— اس میدان میں بالکل ابتدائی اور کمیت کے اعتبار سے نہایت حقیر کوشش کئے چلے جانا بھی چاہے اس کے کوئی محسوس نتائج سامنے نہ آئیں، ہمارے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ سیاسی میدان میں بلند بانگ دعاوی کے ساتھ شرکت کی جائے۔ لیکن بجائے اس کے رُخ کو دین و مذہب کے جانب موڑنے کے خود اس کی رو میں بہہ جایا جائے! ؎

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج پھر درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے!!

اللہ تعالیٰ ہمیں مسلمان جینے اور ایمان پہ مرنے کی سعادت نصیب فرمائے!! ——— آمین!

(ماخوذ از ''تذکرہ و تبصرہ'' میثاق فروری ۱۹۶۹ء)

——— لاہور میں ———

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دو عمومی ہفتہ وار خطاب

——— (۱) ———

خطبۂ جمعہ، جامع مسجد خضریٰ، سمن آباد، لاہور

ٹھیک سوا بجے سے دو بجے تک

——— (۲) ———

درس قرآن، جامع مسجد خضریٰ، سمن آباد، لاہور

ہر اتوار کو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے صبح

بقیہ: تذکرہ و تبصرہ

بھی لازم ہے جس پر کارکن مسلسل جھپٹ کر پلٹتے اور پلٹ کر جھپٹتے رہیں۔ چنانچہ اب کی بار ایک جمعیت علمائے اسلام کو چھوڑ کر بقیہ تمام مذہبی جماعتوں نے اپنی مسلسل چاند ماری کے لئے 'سوشلزم' کا ہدف منتخب کیا ہے اور تمام مذہبی جماعتوں کے شعلہ بیان مقررین اپنا پورا زور خطابت اسی ایک محاذ پر صرف کر رہے ہیں اور اگرچہ مختلف مذہبی جماعتوں کی مختلف سیاسی جماعتوں سے علانیہ یا در پردہ ساز باز کی بنا پر یہ آپس میں ہرگز متحد نہیں بلکہ اندر ہی اندر ایک دوسرے کی کاٹ میں مصروف ہیں، تاہم کم از کم ظاہری اعتبار سے ان سب کا مشترک ہدف 'سوشلزم' ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ "برسر اقتدار" طبقہ کی طرح یہ تازہ ہدف بھی بے خالص ہوائی، اس لئے کہ ذرا تجزیہ کو کے دیکھا جائے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں سوشلزم کے علمبردار ہیں کون لوگ؟ جماعت اسلامی اور پی ڈی پی تو ہوئیں اصلی اور ٹھیٹھ اسلام پسند، تینوں لیگیں بھی اور چاہے جو کچھ بھی ہوں سوشلسٹ بہرحال نہیں، رہے مسٹر بھٹو تو خود وہ اگرچہ 'اسلامی سوشلزم' کا راگ الاپتے ہیں لیکن ان کے تمام سیاسی مخالفین سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیتے ہیں کہ وہ سوشلسٹ ہرگز نہیں ہیں بلکہ یا تو سی آئی اے کے ایجنٹ ہیں یا صرف ایک فاشسٹ نیشنلسٹ ——— لے دے کے دو بچیں (NAPS) رہ جاتی ہیں۔ جنہیں سوشلسٹ کہا جا سکتا ہے۔ تو اوّل تو ان کا حلقہ اثر ہے ہی کتنا کہ اس قدر شور و ہنگامہ اٹھانے کی ضرورت پڑ گئی پھر ان میں سے بھی ولی خاں گروپ بنیادی طور پر نیشنلسٹ ہے نہ کہ سوشلسٹ۔

ہاں ایک حقیقت ایسی ہے جسے مانے بغیر چارہ نہیں اور وہ یہ کہ اس ملک کے پڑھے لکھے طبقے ——— اور خاص طور پر ان میں سے بھی ذہین تر عنصر میں سوشلسٹ خیالات قابل لحاظ حد تک موجود ہیں اور نوجوان نسل کا خاصہ قابل لحاظ حصہ ذہنی اور فکری طور پر اس رو میں بہہ گیا ہے ——— اور ان دونوں طبقات میں ایک اچھی بھلی تعداد ایسے مخلص انقلابی کارکنوں کی بھی موجود ہے جو اپنے پیش نظر انقلاب کے لئے کبھی ایک اور کبھی دوسرے سیاسی گروہ میں شامل ہو کر کام کرتے رہتے ہیں اور ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اگرچہ تعداد کے اعتبار سے یہ لوگ اس ملک میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تاہم اپنے جوش اور جذبہ کار اور مخصوص انقلابی تکنیک کے اعتبار سے یقیناً قابل لحاظ ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں بھی دو باتیں سوچنے کی ہیں:

ایک یہ کہ یہ لوگ آخر آئے کہاں سے ہیں، ظاہر ہے کہ نہ روس سے درآمد ہوئے ہیں نہ چین سے ——— بلکہ اسی سرزمین کی پیداوار اور اسی قوم کے افراد ہیں ——— اور خاص طور پر ان کی اصل قوت یعنی نوجوان

نسل تو ہے بھی قیام پاکستان کے بعد معرض وجود میں آنے والی، تو پھر ان میں اس ذہنی بے راہ روی کے پیدا ہونے کی ذمہ داری کس پر ہے ——— اور کیا یہ ذمہ داری سب سے بڑھ کر ان لوگوں پر عاید نہیں ہوتی جو بزعم خویش اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کی علمبرداری فرماتے رہے لیکن جنہوں نے تمام زور "برسراقتدار طبقہ" پر تنقید کرنے میں ضائع کر دیا اور قوتوں، صلاحیتوں اور اوقات کا سارا سرمایہ صرف سیاسی جدّ و جہد کے نذر کر دیا اور تعلیم و تربیت کے کام سے یکسر نگاہیں پھیرلیں۔ چنانچہ نہ قوم کی ذہنی و فکری رہنمائی ہوسکی نہ اخلاقی و عملی تربیت، اور صورت یہ ہوگئی کہ نوجوان نسل میں سے جو جتنا زیادہ ذہین تھا اتنا ہی زیادہ تیزی سے الحاد و مادہ پرستی کی جانب جھکتا چلا گیا ——— پھر اگر آج یہ نسل خالص مادہ پرستی کی عینک سے معاملات کو دیکھتی ہے تو آخر قصور کس کا ہے ؟ ——— دوسرے مذہبی طبقات کو تو چھوڑیئے کہ سب ہی کا خیال ہے کہ ان میں جدید نسل کی ذہنی رہنمائی کی صلاحیت موجود نہیں، سوال یہ ہے کہ جماعت اسلامی نے پاکستان کے تیئس سالوں کے دوران کیا کیا ؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی تحریک کو اتنی طویل مہلت کار کا مل جانا بڑی ہی غیر معمولی خوش قسمتی شمار کی جاسکتی ہے اور تاریخ اس جماعت کا یقیناً شدید محاسبہ کرے گی جسے اتنی مہلت ملی لیکن اس نے اپنے آپ کو دور از کار معاملات میں الجھائے رکھا ——— اور سیاسی مہمیں تو چلائیں لیکن نہ ذہن و فکر کی دنیا میں انقلاب برپا کیا اور نہ اخلاق و کردار کی وادیوں میں کوئی تبدیلی پیدا کی ——— چنانچہ اب اپنی ہی "غلطیوں کے خمیازوں" سے دو چار ہے !

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ کیا اس قسم کی سیاسی ہنگامہ آرائی اور نعرہ بازی سے جیسی کہ آجکل مذہبی طبقات کی طرف سے "سوشلزم" کے مقابلے میں کی جارہی ہے۔ کوئی مفید نتیجہ نکلنے کی توقع کی جاسکتی ہے ؟ اس لئے کہ یہ تو شاید ممکن ہو کہ اس طرح ان سیاسی جماعتوں کی پیش قدمی کو آپ کچھ دیر کے لئے روک دیں جو اپنی حصول اقتدار کی جنگ میں پیٹ کے نعرے کو اچھال رہی ہیں لیکن اس کی ہرگز کوئی امید نہیں کی جا سکتی کہ اس طریقے پر کسی ایک ذہن کو بھی بدلا جاسکے ——— اور کسی ایک شخص کے فکر کے رخ کو بھی تبدیل کیا جاسکے۔ گویا یہ سارا 'جہاد' ان لوگوں کے خلاف تو شاید کسی حد تک نتیجہ خیز ثابت ہوسکے جنہیں 'PSEUDO SOCIALIST' کہا جاتا ہے لیکن جو لوگ حقیقتہً سوشلسٹ ہیں اور جن کی زندگی کا مقصد ہی سوشلسٹ اور کمیونسٹ انقلاب برپا کرنا ہے اور جو واقعتہً موجودہ انقلابی رو کی ذہنی و فکری رہنمائی کر رہے ہیں ان کے خلاف یہ ساری مہم قطعاً لاحاصل اور بے کارِ محض ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طرز کی نعرہ بازی سے ایسے لوگ اپنے موقف پر مزید جازم اور اپنے نقطۂ نظر میں مزید پختہ ہوتے چلے جا رہے ہیں اور دین و مذہب کا رہا سہا اخلاقی وقار بھی خاک میں ملتا چلا جا رہا ہے۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ ہماری اس بار بار کی مرثیہ خوانی کا حاصل کچھ بھی نہیں اس لئے کہ ملکی سیاست کے میدان میں برسرِکار مذہبی جماعتوں کے لئے اب طریقِ کار کی تبدیلی قطعاً ناممکن ہے۔ ان کی ایک بڑی تعداد تو جو کچھ کر رہی ہے اس کے سوا اور کچھ کر ہی نہیں سکتی۔ جن سے توقع ہو سکتی تھی وہ خود ہی اپنی غلط منطق کے صغریٰ کبریٰ کے جال میں اس درجہ پھنس چکے ہیں کہ اب اس سے ان کا رہائی پانا ممکن نہیں رہا۔ بنا بریں اکثر گمان ہوتا ہے کہ ہماری ساری قیل و قال بیکار اور سعیٔ لاحاصل ہے۔

لیکن پھر خیال آتا ہے کہ کیا واقعی اتنے بڑے ملک اور اتنی عظیم قوم میں چند لوگ بھی ایسے نہیں جو وقتی طور پر سیاست کے اتار چڑھاؤ سے صرفِ نظر کر کے دین و مذہب کی بنیادی اقدار کے احیاء کے لئے بالکل بنیادی اور اساسی کام میں منہمک ہو سکیں ——— تو دل گواہی دیتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ غالباً ساری کمی ہمارے اپنے جذبِ دروں کی، اور اصل کوتاہی ہمارے بیانِ مطلب اور ادائے مدعا کی ہے اور اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ بارگاہِ ایزدی ہی میں درخواست کی جائے کہ "رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ——!"

ہمارے اسی باطنی اضطراب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بار بار خیال آتا ہے کہ 'میثاق' کو بند کر دیا جائے تاکہ سیاسی میدان سے بالکل لاتعلق ہونے کے باوجود محض اس کے صفحات میں جو سیاسی تبصرے کبھی کبھی آ جاتے ہیں ان کا سلسلہ بھی بند ہو جائے اور ہم اپنی صلاحیتوں کی حقیر سی پونجی کو کامل یکسوئی کے ساتھ صرف علوم قرآنی کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلّم قرآن میں کھپا دیں۔ تاہم ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہو گا ؎

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا — گنبدِ نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا

ہم سے طلب فرمائیں

علامہ محمود احمد عباسی کی تازہ تصنیف

"وقائعِ زندگانی امّ ہانی رضؓ"

جس میں پیروان ابن سبا کی بہت سی غلط روایتوں کا پول کھولا گیا ہے

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۹۲، قیمت تین روپے

دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور ۲

افادات فراہیؒ

خالد مسعود

دین کا نظام

(۲)

دین کا نقطہ آغاز دین کا آغاز عفت عدل سے ہوتا ہے۔ عدل، عقل اور اخلاق کا نقطہ امتزاج ہے۔ حسن اخلاق کے نتیجے میں احسان پیدا ہوتا ہے۔ اسی کا ایک پہلو اس حق کو ادا کرنا ہے جو نفس پر واجب ہے اس کا نام شکر ہے۔ گویا شکر عدل کے کلیہ کا ایک جزو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو عدل کا نقطہ آغاز قرار دیا ہے اور یہ بذاتہٖ لازم ہے۔ فرمایا:۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	اللہ حکم دیتا ہے عدل، احسان اور قرابت
وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ	داروں کو دینے دلانے کا اور روکتا ہے بے
عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم	حیائی، بدی اور ظلم و زیادتی سے، وہ تمہیں
لعلکم تذکرون (نحل ۹۰)	تنبیہ کرتا ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔

عدل جانب عقل سے شروع ہوتا ہے لیکن احسان کا تعلق قلب سے ہے لہٰذا شکر کا پیدا ہونا عقل کی بصیرت اور قلب کی حریت ہے۔

ایمان کی بنیاد شکر جب ایک شخص اپنے آپ کو خدا کی نعمتوں سے گھرا ہوا پاتا ہے تو اس کے اندر یہ احساس بیدار ہوتا ہے کہ مالک کے احسانات کی وجہ سے اس پر ایک حق واجب ہے۔ اس سے اس کے اندر شکر پیدا ہوتا ہے۔ رہا نعمت کا منکر تو وہ بڑا حق تلف، دھوکہ باز، کمینہ اور قابل ملامت ہے جس کے اندر سے فہم اور شرم سلب ہو چکی ہے۔ وہ ایک فیاض کے دسترخوان پر کھاتا ہے لیکن اسے یہ خیال تک نہ آیا کہ محتاجی میں اس نے یہ سب کچھ کہاں سے پایا۔ اسے یہ احساس تک نہ ہوا کہ وہ کسی کے احسان کے نیچے آیا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے اندر حماقت اور بے شرمی دونوں صفتیں جمع ہو گئی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا:

یا کلون کما تا کل الانعام والنار	وہ کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور
مثوی لھم (محمد-۱۲)	آگ اُن کا ٹھکانا ہے۔

یعنی ایسے لوگ حرص اور پیٹ کے غلام ہوتے ہیں۔ یہ فطرت انسانی کے بنیادی اخلاق سے عاری ہو جانے کی وجہ سے جانوروں سے بھی زیادہ رذیل ہو جاتے ہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اول مظاہر خلقت اور نعمتیں ہیں اس لئے بندے پر خدا کا پہلا حق یہی بنتا ہے کہ وہ اپنے منعم خالق کا شکر بجالائے۔ خدا پر ایمان کی بنیاد اسی شکر پر ہے اور اس کی معرفت پہلے سے انسان کو ودیعت کر دی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا :۔

ھل اتیٰ علی الانسان حین	انسان پر زمانے کا ایک حصہ ایسا بھی گزرا
من الدھر لم یکن شیئاً	ہے جب یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ ہم
مذکورا انا خلقنا الانسان	نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا جسے
من نطفۃ امشاج نبتلیہ	ہم الٹتے پلٹتے رہے پھر اسے ہم نے ایک
فجعلناہ سمیعا بصیرا انا	سننے اور جاننے والا انسان بنا دیا۔ ہم نے
ھدینا ہ السبیل اما شاکرا	اسے فطرت کی راہ کی ہدایت دی خواہ وہ
واما کفورا (دہر ۱-۳)	شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور اسے رہنمائی بھی دی۔ اب یہ اسی کی ذمہ داری ہے خواہ وہ خدا کی نعمتوں ——— جن میں تخلیق اور ہدایت کی نعمتیں خاص طور پر اہم ہیں ——— پر اس کا شکر گزار ہو یا ان کا انکار کر کے ناشکری کا مرتکب ہو۔

اس بات کی دلیل کہ شکر پہلا عمل ہے یہ ہے کہ شکر کو قبول ہدایت کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا۔

والبلد الطیب یخرج نباتہ	زرخیز زمین کی پیداوار اپنے رب کے اذن
باذن ربہ والذی خبث	سے ہوتی ہے اور بنجر زمین کی پیداوار ناقص
لا یخرج الا نکدا کذلک	اور کم ہی ہوتی ہے۔ ہم آیات کو پھیر پھیر
نصرف الایات لقوم یشکرون	کے بیان کر رہے ہیں ان لوگوں کے لئے جو
(اعراف ۵۸)	شکر گزار ہیں۔

یعنی جس شخص کے اندر شکر کا احساس زندہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس میں یہ جذبہ پیدا کر دیں گی۔ ان نعمتوں کی حیثیت وہی ہے جو زمین کے لئے بارش کی ہوتی ہے۔ ایک پاکیزہ نفس زرخیز زمین کی طرح شکر کی

عمدہ کھیتی اگاتا ہے۔ ناپاک نفس کی پیداوار بھی ناقص ہی ہوتی ہے۔

شکر کے اثرات | ایک بندے کے اندر جب شکر کا جذبہ راسخ ہو جاتا ہے تو وہ متنبہ ہو جاتا ہے۔ وہ ملکوت الٰہی پر غور کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اس بات پر ایمان لے آتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو صفات جلال و جمال سے بدرجہ اتم متصف ہے۔ وہ رحمان و رحیم، پروردش کرنے والا، مہربان، قدرشناس، غنی، حمید، معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اس ایمان سے اس کے اندر تسکین، عاجزی اور خدا سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ایمان کے بعد بڑے اعمال پر اس کے نفس کی ملامت کا عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ رب رحیم پر یقین اسے بتاتا ہے کہ یہ احساس ذمہ داری بھی اسی کی طرف سے تھا۔ اس حقیقت شناسی کے نتیجے میں اس کے اندر حیا، خوف، امید اور صرف خدا کی رضا جوئی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ وہ اعمال و اخلاق کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور بالآخر ایک فرمانبردار و موحد مومن بن جاتا ہے۔ یہ رستہ اسے اپنی فطرت کی روشنی اور قلب کے نور سے سوجھا ہو یا وحی الٰہی اور کسی داعی کی دعوت پر یقین کرنے سے۔ دونوں صورتوں میں اس کی کیفیت یہی ہوتی ہے۔

فطرت کی ہدایت کے دو الہام ہیں۔ ایک بعض چیزوں کی رغبت کا، دوسرا کچھ چیزوں سے نفرت کا۔ انہی سے امر و نہی وجود میں آتے ہیں۔ جب بندہ خدا کی نعمتوں کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اس کے حکم پر بھی متنبہ ہو جاتا ہے۔ اس پر چلنے سے اس کی خدا کی معرفت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن نے جہاں انسان کی بے پروائی اور نافرمانی پر زجر و تنبیہ فرمائی ہے وہاں یہ فرمایا ہے:

خلقه فقدره ثم السبيل	اس نے اسے پیدا کیا تو اندازہ رکھا پھر اس
يسّره ثم اماته فاقبره	کے لئے راہ موزوں کی پھر اسے موت دی
ثم اذا شاء انشره كلا لما	اور قبر میں ڈالا۔ پھر جب چاہے گا اسے
يقض ما امره	اٹھائے گا۔ نہیں اس نے پورا نہیں کیا جو
(عبس ۱۹-۲۳)	اس نے اسے حکم دیا۔

یہاں 'ما امرہ' کے الفاظ فطرت کے الہامات اور وحی کی ہدایات دونوں کو عام ہیں۔ یعنی فطرت و شریعت کے تمام اوامر و نواہی ان کے تحت آ جاتے ہیں۔

جہاں تک رنج و تکلیف کا تعلق ہے بندے پر ان کا اثر دو پہلوؤں سے ہوتا ہے۔ ایک نعمت کے پہلو سے کیونکہ رحمت رنج و الم سے بجا طور پر بالکل ایسے جیسے بھوک کے بعد سیری یا خوف و خطر کے بعد امن کا حاصل ہونا۔ مثلاً فرمایا:

هو الذی ینزل الغیث	وہی ہے جو بارش اتارتا ہے اس کے بعد کہ
من بعد ما قنطوا و ینشر	وہ نا امید ہو چکتے ہیں اور اپنی رحمت
رحمته (شوریٰ ۲۸)	پھیلاتا ہے۔

دوسرے اس پہلو سے کہ نعمت حکمت کی طرف متوجہ کرتی ہے اور حکمت سے عدل و شکر کی تعلیم ملتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

ولقد اتینا لقمان الحکمة	اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ
ان اشکر لله (لقمان ۱۲)	کا شکر گزار ہو۔

اس کیفیت میں بندہ دو حالتوں سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ ایک امید کی حالت دوسری اندیشے کی حالت۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ خدا کے ذکر میں مصروف رہتا ہے یعنی ذکر شکر ادا کرنے کے لئے، ذکر دعا کے لئے اور ذکر خوف کی وجہ سے۔ وہ اس حالت میں جو نماز پڑھتا ہے وہ بھی ذکر، شکر، دعا اور فرار الی اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ اس معرفت، تقویٰ اور نماز کے بعد وہ دعوت حق کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

محبت الٰہی شکر کے معنی کسی کے احسان کا اعتراف کرکے ہر ممکن حد تک، اس کا برابر کا بدلہ دینے کے ہیں جس پر احسان کیا جاتا ہے وہ ایک لحاظ سے اپنی کوتاہی کے عیب سے کبھی دامن نہیں چھڑا سکتا۔ یعنی پہل کرکے احسان کرنے والے کو اس پر بہرحال ایک فضیلت حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ اور معاملہ جب خدا اور بندوں کے درمیان کا ہو تو پھر بندے کی کوتاہی کے پہلوؤں کی کوئی انتہا نہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر جو نعمت بھی کی ہے وہ محض اپنی رحمت و رافت کی بدولت کی ہے اور اس کی تمام نعمتیں اس کی رحمت ہی کے آثار ہیں۔ اس رافت و رحمت کا بدل اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ خدا کے لئے کامل محبت ہو سکتی ہے کیونکہ جب بھی کسی کے بارے میں معلوم ہو کہ فلاں آپ سے محبت رکھتا ہے، اس نے آپ کو منتخب کر لیا ہے اور اپنی کسی حاجت کے بغیر آپ پر نعمت کرتا ہے تو اس کے لئے محبت جوش مارنے لگتی ہے اور جتنا اس کی نعمتوں کو یاد کیا جاتا ہے اتنا ہی محبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک بندہ مومن کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرے۔ قرآن میں ہے:

والذین امنوا اشد حبا لله	اور جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ کی محبت
(بقرہ ۱۶۵)	میں شدید تر ہیں۔

اس معاملے میں توریت اور انجیل بھی قرآن سے متفق ہیں۔ ان کی دعوت بھی یہی ہے کہ کامل محبت خدا کے لئے ہونی چاہیئے۔ یہ کامل محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس میں اور کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

چونکہ عدل کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہو اس لئے خدا کے شریک و ہمسر ٹھہرانا ظلم عظیم قرار پایا۔ خدا کے شریک ٹھہرانے والا آدمی ظالم اور قسط کا مخالف ہے۔ دوسرے الفاظ میں شکر کا حق ادا کرنے والا بندہ قسط کا گواہ ہے۔ یہ بات قرآن مجید کے ایک ارشاد سے بھی ثابت ہے۔ فرمایا۔

شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو	اللہ نے بھی یہ گواہی دی کہ اس کے سوا
والملئکۃ واولوا العلم قائما	کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور اہل علم نے
بالقسط (آل عمران ۱۸)	بھی قسط پر قائم ہو کر۔

پس معلوم ہوا کہ عدل اور توحید ایک ہی جڑ سے نکلی ہوئی دو شاخیں ہیں۔ توحید اسلام کی چوٹی ہے تو شکر اس کی بنیاد ہے۔

شرک کو قرآن نے رجس یعنی گندگی بھی کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شرک کے نتیجے میں معزز نفس کی خالق و مالک کے سوا دوسروں کے آگے توہین ہوتی ہے۔ تورات نے اس توہین کی قباحت کو خوب واضح کیا ہے اور شرک کو زناکاری سے تشبیہ دی ہے تاکہ اہانت کے علاوہ اس کا غیرت کا پہلو بھی واضح ہو جائے۔

ہادی کی ضرورت

کسی شے کو بہت زیادہ محبوب رکھنے والا شخص اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے کیونکہ اس میں اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس کی طرف بڑھنا چاہتا ہے، اس کی یاد سے راحت پاتا ہے۔ اس کی نشانیوں سے مانوس ہوتا ہے اور اسی میں برابر مشغول رہنا چاہتا ہے۔ یہی حال بندہ مومن کا ہوتا ہے، وہ جب خدا کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے تو قدرتی طور پر اس کا قلب خدا کے پیغام کی پیاس محسوس کرتا ہے، وہ خدا کی ملاقات کے لئے مشتاق ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے سکون پاتا ہے، وہ ان لوگوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو اس کا تذکرہ کرتے ہوں اور اس تک پہنچنے کی راہیں بتائیں۔ وہ ایسے لوگوں سے کٹ جاتا ہے جو خدا کی طرف جانے سے خود بھی رکے ہوئے ہوں اور دوسروں کو بھی روکنے کا باعث بنے ہوئے ہوں۔ یہ ہے خدا سے اس محبت کا مظاہرہ جو شکر سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسا بندہ مومن جب کسی ہادی کو پاتا ہے تو اس کی کیفیت بالکل اس شخص کی ہوتی ہے جیسے اپنی گمشدہ متاع مل گئی ہو یا جو رستہ سے بھٹکا ہوا ہو اور اسے کوئی رہنما مل جائے۔ انسان کی اسی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذمہ لے لیا تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً یعنی آدم کی طرف انہی کے اندر سے ہادی و داعی بھیجتا رہے گا، اس کا مطالبہ انسان سے یہی ہے کہ وہ ان داعیوں کی دعوت کو قبول کیا کریں۔ فرمایا

قلنا اھبطوا منھا جمیعا	ہم نے حکم دیا اس سے اتر جاؤ سب کے
فاما یاتینکم منی ھدی	سب، پھر جب تمہارے پاس میری جانب

فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون (بقرہ ۳۸)	سے ہدایت آجائے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے۔

دوسری جگہ فرمایا :-

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم (آل عمران ۳۱)	کہہ دو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں محبوب رکھے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

دیکھئے اللہ کو محبوب بنانے کے نتیجے میں کتنے بڑے درجے کا وعدہ کیا ہے کہ اللہ ہمیں خود محبوب بنالے گا۔ اس درجے کو حاصل کرنے میں انسان کے گناہ بھی مانع نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ غفور و رحیم ہے اور توبہ کرنے والے کو بخش دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رب پر ایمان کتاب اور معاد پر ایمان کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ نیز یہ انبیاء و رسل پر ایمان لانے پر بھی مجبور کرتا ہے چونکہ انسان کی نشو و نما اپنے آباء و اجداد اور اپنی قوم و قبیلہ کے اثر سے تحت ہوتی ہے، اس پر وہ چیزیں غالب آجاتی ہیں جو وہ ان سے سنتا ہے۔ پھر دنیا کی دلچسپیاں اور مشاغل ہیں جن کی وجہ سے وہ گرد و پیش کے ماحول سے اثر قبول کرتا ہے اس لئے انبیاء و رسل کی دعوت کے معاملے میں بھی مختلف لوگوں کا ردعمل مختلف ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جن کی فطرت بیدار ہوتی ہے یہ حق کے داعی کی پکار پر فوراً لبیک کہتے ہیں۔ اس معاملے میں جلدی یا تاخیر ان کی غور و فکر کی قوت اور اخلاق کی اچھائی پر مبنی ہوتی ہے۔ بعض لوگ اس وقت تک رکتے ہیں جب تک وہ جہالت کی تاریکیوں اور خواہشات نفس کی گمراہیوں سے نہیں نکل پاتے۔ یہاں تک کہ ان کے فہم کے بندھن اور دل کے قفل کھل جاتے ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شک کی تاریکیوں ہی میں پڑے رہ جاتے ہیں اس کی وجہ وہ فساد قلب ہوتا ہے جو حسد، تکبر اور غرور جیسے اخلاق سیئہ کے نتیجے میں طاری ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ یا تو اندھے بنے رہتے ہیں اور حقیقت تک ان کی رسائی ہی نہیں ہو پاتی۔ یا انہیں حق کا تو یقین ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ انکار پر انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا ردعمل جو فطرت کو زندہ رکھتے ہیں۔ قرآن نے بڑی وضاحت سے مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے :-

ان فی خلق السموات والارض	بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت

واختلاف اللیل والنهار
لآیات لاولی الالباب الذین
یذکرون الله قیاما وقعودا
و یتفکرون فی خلق السموات
والارض ربنا ما خلقت
هذا باطلا سبحانك
فقنا عذاب النار ربنا
انك من تدخل النار
فقد اخزیته وما
للظالمین من انصار
ربنا اننا سمعنا منادیا
ینادی للایمان ان
آمنوا بربکم فآمنا
ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر
عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار
(آل عمران ۱۹۰-۱۹۴)

اور رات اور دن کی آمد وشد میں اہل
عقل کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ان
کے لئے جو کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر
خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کی دعا یہ ہوتی
ہے کہ اے ہمارے پروردگار تونے یہ کارخانہ
بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے تو اس بات سے
پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں
دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب
جس کو تونے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو
تونے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار
نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے
والے کو سنا ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کہ اے
لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔
اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے
ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں
موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔

ہم سے طلب فرمائیں
مولانا امین احسن اصلاحی کی شاہکار
تصنیف
دعوت دین اور اس کا طریق کار
سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۲۳۲، طباعت آفسٹ، مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور
قیمت -/۵ (محصول ڈاک علاوہ)
دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ۔ لاہور۔

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد اول ——— مشتمل بر

مقدمہ و تفسیر آیت بسم اللہ، سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹ : صفحات ۸۸۰

عمدہ دبیز سفید کاغذ ——— آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائیدار جلد کے ساتھ

ہدیہ تیس ۳۰/- روپے ——— محصول ڈاک، ڈھائی روپے

(بتیس روپے پچاس پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں

اس کے علاوہ

تفسیر آیت بسم اللہ۔ وسورۂ فاتحہ

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے

بڑا سائز، کاغذ سفید، صفحات ۳۶ ——— ہدیہ ۵ پیسے

(بذریعہ ڈاک طلب فرمانے کے لیے پچاسی پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں)

شائع کردہ: دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور

فون: ۶۹۵۲۲

تدبر قرآن
مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ اعراف

(۵)

قوم لوط اور حضرت لوطؑ

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ: حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے ہیں۔ یہ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے وہ شام کے جنوبی علاقہ میں دریائے اردن کے ارد گرد آباد تھی۔ ان کے ذکر میں اسلوب بیان اس سے ذرا مختلف ہے جو حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کے ذکر میں ہے۔ ان دونوں حضرات کو تو 'اَخَاهُمْ هُوْدًا' اور 'اَخَاهُمْ صٰلِحًا' کے الفاظ سے ان کی قوموں کی طرف منسوب فرمایا لیکن حضرت لوطؑ کی قوم کو ان کی قوم تو کہا لیکن ان کو ان کے بھائی کی حیثیت سے ان کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کے اعتبار سے تو یہ لوگ ان کی قوم تھے لیکن باعتبار نسب اور قبیلہ حضرت لوطؑ ان سے الگ تھے۔ قرآن نے اس معمولی سے فرق کو بھی اپنے اسلوب بیان سے واضح فرما دیا۔ رسولوں کے باب میں عام سنت الٰہی تو یہ ہے کہ وہ اسی قوم کے اندر سے ہوتے ہیں جس کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ قوم ان کے ماضی و حاضر، ان کے اخلاق و کردار اور ان کی زبان سے اچھی طرح آشنا ہو تاکہ اجنبیت و غیریت موجب وحشت نہ بنے۔ یہ چیز جس طرح نسبی تعلق سے حاصل ہو سکتی ہے اسی طرح کسی قوم کے اندر طویل قیام سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت لوطؑ چونکہ اسی قوم کے اندر رہ بس گئے تھے بلکہ قرینہ شاہد ہے کہ انہوں نے انہی کے اندر شادی بھی کر لی تھی اس وجہ سے وہ قوم کے لیے بمنزلہ ایک فرد قوم کے تھے۔ ان کی تربیت، جیسا کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے فرمائی تھی۔ ان کی ان خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ یہ بعینہٖ وہی صورت حال ہے جو حضرت موسیٰؑ کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں۔ باوجودیکہ حضرت موسیٰؑ قوم فرعون کے اندر سے نہیں تھے لیکن ایک طویل مدت تک ان کے اندر رہے بسے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو قوم فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

'اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ': 'اَلْفَاحِشَة' کھلی ہوئی بدکاری و بے حیائی کو کہتے ہیں اور استفہام یہاں اظہار نفرت و کراہت کے مفہوم میں ہے۔ اس

'فاحشہ' کا یہاں نام نہیں لیا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ بے حیائی و نفرت کی سوسائٹی میں اس درجہ عام تھی کہ نام لئے بغیر بھی ہر شخص سمجھتا تھا کہ اس سے مراد کیا ہے۔

'ما سبقکم بہا' 'فاحشۃ' کی صفت نہیں ہے۔ اگر یہ صفت ہوتا تو معروف قاعدہ زبان کے مطابق ... 'فاحشۃ' کو نکرہ ہونا تھا۔ میرے نزدیک یہ الگ جملہ ہے۔ حضرت لوطؑ نے یہاں درحقیقت دو مختلف پہلوؤں سے اس بُرائی پر اظہار نفرت فرمایا ہے۔ پہلے تو فرمایا کہ ایسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو، جس کا بے حیائی ہونا ہر عقل سلیم پر واضح ہے! پھر فرمایا کہ یہ حرکت شنیع تو تم سے پہلے کسی قوم نے نہیں کی!۔

'من احد من العالمین' سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ قوم لوطؑ سے پہلے یہ حرکت شنیع کسی ایک فرد سے بھی صادر نہ ہوئی ہو۔ ہم دوسری جگہ واضح کر چکے ہیں کہ لفظ 'احد' جمع کے مفہوم میں بھی آتا ہے مثلاً 'لا نفرق بین احد من رسلہ' یا 'لستن کاحد من النساء'۔ اس وجہ سے اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم سے پہلے کوئی شامت زدہ سوسائٹی ایسی نہیں گزری جس نے اس غلاظت کو تمہاری طرح اوڑھنا بچھونا بنایا ہو۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوپر جن رسولوں کی دعوت کا ذکر ہوا ہے ان میں سے ہر ایک کی دعوت کا آغاز توحید سے ہوا ہے لیکن حضرت لوطؑ نے توحید کی دعوت سے آغاز کرنے کے بجائے سب سے پہلے قوم کی اس بے حیائی کو موضوع بحث بنایا۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لوطؑ کی قوم کے اندر شرک کی برائی موجود نہیں تھی؟ اگر موجود تھی تو حضرت لوطؑ نے اس کو کیوں نظر انداز فرمایا؟ ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ بُرائی اور برائی میں فرق ہوتا ہے۔ ایک برائی تو وہ ہوتی ہے جو خواہ کتنی ہی سنگین ہو، لیکن وہ انسانی عوارض میں سے ہے اور انسانوں کے اندر پائی جاتی ہے یا پائی جاسکتی ہے، دوسری برائی وہ ہے جس کا گھناؤنا پن اس قدر واضح ہے کہ کسی انسان کے اندر عادت کی حیثیت سے اور کسی سوسائٹی کے اندر فیشن کی حیثیت سے اس کا پایا جانا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ اس انسان یا اس سوسائٹی کی فطرت بالکل مسخ ہوگئی ہو۔ جہاں اس طرح کے لوگوں سے سابقہ ہو وہاں اصل قابل توجہ چیز وہی برائی ہوتی ہے، دوسری باتیں خواہ کتنی ہی اہمیت رکھنے والی ہوں، سب ثانوی درجے میں آجاتی ہیں۔ آپ ایک شخص کے پاس اس کی اصلاح کی غرض سے جائیں اور دیکھیں کہ وہ کھڑا ہوا غلیظ کھا رہا ہے تو آپ اس کو ایمان و اسلام کی تلقین کریں گے یا سب سے پہلے اس کی یہ عبرت انگیز حالت آپ کو متوجہ کرے گی؟ حضرت لوطؑ کو اسی صورت حال سے سابقہ پیش آیا۔ ان کی قوم کے اندر شرک و کفر کی برائی بھی موجود تھی، اور دوسری تمام برائیاں بھی، جو شرک و کفر کے لوازم میں سے ہیں، موجود تھیں لیکن جن کی فطرت اتنی اندھی ہوگئی ہو کہ مرد مردوں ہی کو شہوت رانی کا محل بنائے ہوئے ہوں ان کو تو

سب سے پہلے اس غلاظت کی دلدل سے نکلنے کی ضرورت تھی، ان سے کوئی دوسری بات کرنے کا مرحلہ تو بہرحال اس کے بعد ہی آ سکتا تھا۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ قرآن کی نگاہ میں عمل قوم لوطؑ کی سنگینی کا کیا حال ہے اور پھر ذرا یاد کیجئے اس قعر کو کہ برطانوی پارلیمنٹ نے پچھلے دنوں اپنے ایک قانون کے ذریعہ سے اپنی قوم کے لیے اس ملعون فعل کو بالکل مباح کر دیا ہے۔ اللہ کے حلم کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ مہلت دیتا ہے تو بڑی طویل مہلت دیتا ہے لیکن برطانوی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کر کے خدا کے عذاب کے لیے اپنے دروازے چوپٹ کھول دیتے ہیں۔ اب دیکھئے یہ مدت مہلت کتنی دراز ہوتی ہے۔

'انکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون' یہ اظہار نفرت کا ثانیہ اپہلو ہے۔ یعنی تم نے تو فطرت کو بالکل ہی الٹ کر رکھ دیا ہے۔ جملہ میں جو تاکید ہے وہ نفرت اور تعجب کی شدت کو ظاہر کر رہی ہے۔ 'رجال' کا لفظ بھی یہاں معنی خیز ہے اس لئے کہ 'رجال' پختہ سن وسال کے مردوں کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کے استعمال سے ایک تو اس فعل کے گھناؤنے پن کا اظہار ہو رہا ہے۔ دوسرے اس سے اس دیوثیت کا اظہار ہو رہا ہے جو کسی قوم میں اس مرض خبیث کے عام ہو جانے کی صورت میں لازماً پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے عام ہو جانے کی صورت میں سن وسال کی تمیز بالکل اٹھ جاتی ہے۔ پھر ہر عمر کے دیوث قوم میں پھیل جاتے ہیں اور ان کے لیے یہ لعنت عادت اور پیشہ بن جاتی ہے۔ 'من دون النساء' کے الفاظ اس قلب ماہیت کو ظاہر کر رہے ہیں جو اس فساد طبیعت کا لازمی نتیجہ ہے کہ ساری تخلیقی قوت بالکل غلط ہدف پر برباد ہوتی ہے۔ بنجر سیراب ہوتے ہیں، کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں، جس کا انجام حرث ونسل کی تباہی اور آخرت کی روسیاہی ہے۔ 'بل انتم قوم مسرفون' فطرت سے بغاوت کی تعبیر ہے اور فطرت سے بغاوت کا انجام ظاہر ہے۔

'وما کان جواب قومہ الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون' سارے بیان سے واضح ہے کہ حضرت لوط کا ایک ایک فقرہ آنکھیں کھول دینے والا اور فطرت کو جھنجھوڑ دینے والا تھا لیکن جن کی مت ماری گئی ہو اور جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہو ان پر یہ غلط کیا کارگر ہو سکتا تھا؟ ۔ وہ سب سن کر بولے تو یہ بولے کہ ان کو بستی سے نکالو، یہ بڑے پارسا بنتے ہیں!

یہ کسی معاشرے کے بگاڑ کی آخری حد ہے۔ معاشرہ بگڑتے بگڑتے اس حد تک بگڑ جاتا ہے کہ ایک وقت آتا ہے جب سب اپنی ناک کٹوا بیٹھتے ہیں اور نکٹا ہونا ہی تہذیب اور فیشن کا تقاضا بن جاتا ہے۔ اس وقت چہرے پر ناک کا نہ ہونا عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کا ہونا ایک اعجوبہ گنا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کو

اگر ظالموں کا بس چلتا ہے تو ان کو بنا کر برادری باہر کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ 'یتطھرون' کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو گندگی میں آلودہ اور حضرت لوطؑ اور ان کے ساتھیوں کو پاکیزہ سمجھتے تھے لیکن ان کی یہ پاکیزگی پسندیدہ ہونے کے بجائے ان کے دل پر شاق تھی کہ آخر یہ کیوں نیچے پھرتے ہیں، ہم جس چوبچہ میں ڈبکیاں لگا رہے ہیں، یہ کیوں نہیں اس میں اترتے؟

'فانجیناہ واھلہ الا امرءتہ کانت من الغابرین'۔ اوپر 'انھم اناس یتطھرون' سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تھے جو حضرت لوطؑ پر ایمان لائے تھے لیکن اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اہل وعیال کے سوا کوئی اور ان پر ایمان لانے والا نہ تھا۔ اگر کچھ لوگ ایمان لائے ہوتے تو نجات پانے والوں میں ان کا ذکر بھی ہوتا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ایک قلیل گروہ، جیسا کہ لفظ 'اناس' سے ظاہر ہوتا ہے، ان پر ایمان تو لایا لیکن یہ لوگ سب ان کے متعلقین ہی میں سے تھے اس وجہ سے قرآن نے ان کو لفظ 'اھل' ہی سے تعبیر فرمایا۔

اس 'اھل' میں سے بھی حضرت لوطؑ کی بیوی خارج ہو گئی۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ اس کی طبیعت کا فساد ہوا۔ اس فسادِ طبیعت کو اس بات سے بھی تقویت ملی ہو گی کہ اس کا تعلق، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اسی ناہنجار قوم سے تھا۔ خاندان اور قوم کی عصبیت اکثر حق کی راہ میں رکاوٹ بنی ہے۔ اس زنجیر کو توڑنے میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوئے ہیں جن کے اندر خدا کی لگن اتنی شدید ہوئی کہ وہ ہر مخالف جذبہ پر غالب آ گئی۔ قرآن نے اس صورت کا ذکر خاص طور پر اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لیے فرمایا کہ نجات کی راہ صرف ان کے لیے کھلتی ہے جو خود اس کے طالب ہوں اور دوسری چاہتوں کو، جو اس میں روک بنیں، قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر یہ عشقِ حق اور اس کے لیے قربانی کا یہ جذبہ کسی میں نہ ہو تو ایک پیغمبر کی بیوی، ایک پیغمبر کا بیٹا، ایک پیغمبر کا باپ یا چچا ہونا بھی آدمی کے لیے ذرا نافع نہیں ہوتا۔ حضرت لوطؑ کی بیوی، حضرت نوحؑ کے بیٹے، حضرت ابراہیمؑ کے باپ اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا انجام اس حقیقت کی ناقابلِ تردید شہادت ہے۔

'فامطرنا علیھم مطر السماء'۔ یہاں بارش سے مراد پانی کی بارش نہیں ہے بلکہ کنکروں اور پتھروں کی بارش ہے۔ قوم لوطؑ پر اس طوفانی ہوا کا عذاب آیا تھا جو صحراؤں سے اٹھتی ہے اور قافلے کے قافلے اور بستیوں کی بستیاں جس کی اٹھائی ہوئی ریت اور جس کے برسائے ہوئے کنکروں اور پتھروں کے نیچے دب کر فنا ہو جاتی ہیں۔ عربی میں اس کو 'حاصب' یعنی کنکر پتھر برسانے والی آندھی کہتے ہیں۔ مولانا فراہیؒ نے سورہ ذاریات کی تفسیر میں اس عذاب کی نوعیت یہ بیان فرمائی ہے:۔

" قوم لوطؑ پر اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی جو سخت ہو کر بالآخر 'حاصب ' (کنکر پتھر برسانے والی آندھی) بن گئی۔ اس سے اول اول تو ان کے اوپر کنکروں اور پتھروں کی بارش ہوئی، پھر اس نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ اس کے زور سے ان کے مکانات بھی الٹ گئے۔ چنانچہ انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے منهم من ارسلنا علیه حاصبا ۴۰ عنکبوت (ان میں سے بعض قوموں پر ہم نے کنکر پتھر برسانے والی آندھی بھیجی) نیز فرمایا ہے فجعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیهم حجارة من سجیل منضود ۷۴- حجر (پس ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور ان کے اوپر تہ بہ تہ سنگ گل کے پتھروں کی بارش کی) یعنی ایسی تند آندھی چلی کہ ان کے مکانات زمین کے برابر ہو گئے اور اوپر سے کنکر اور ریت نے ان کو ڈھانک لیا۔ جیسا کہ فرمایا ہے والموتفکة اهوی فغشاها ما غشی۔ ۵۴- نجم (اور الٹی ہوئی بستیاں جن کو الٹ دیا اور پھر ان کو ڈھانک دیا جس چیز سے ڈھانک دیا)

آگے مولاناؒ نے تورات کے ترجموں پر تنقید کر کے واضح فرمایا ہے کہ ترجمہ میں غلطی کر کے کس طرح انہوں نے صورت واقعہ کچھ سے کچھ بنا دی ہے۔ پھر خلاصۂ بحث ان لفظوں میں پیش فرماتے ہیں۔

"اس سے معلوم ہوا کہ قوم لوطؑ پر اللہ تعالیٰ نے سنگریزے برسانے والی آندھی کا عذاب بھیجا جس نے ان کو اور ان کے مکانوں کو ڈھانک لیا۔ اور اگر اس کے ساتھ تورات کا بیان بھی ملا لیا جائے تو اس پر اتنا اضافہ ہو جائے گا کہ ان پر بجلی اور کڑکے کا عذاب بھی آیا۔"

اہل مدین اور حضرت شعیبؑ

والی مدین اخاهم شعیبا۔ قوم مدین کا مسکن بحر احمر کے ساحل پر کوہ طور کے جنوب و مشرق میں تھا۔ ان کے پیغمبر حضرت شعیبؑ ہوئے۔ یہ وہی حضرت شعیبؑ ہیں جنہوں نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کیا تھا اور حضرت موسیٰؑ نے ایک طویل عرصہ تک ان کے پاس قیام کیا اور ان کی بکریاں چرائیں۔ یہ پوری سرگزشت سورہ قصص میں بیان ہوئی ہے اور اللہ کے پاکیزہ خصائل بندوں کی نہایت پاکیزہ اور موثر سرگزشت ہے۔

مدین کے لوگ چونکہ ایک اہم تجارتی گزرگاہ پر تھے اس وجہ سے انہوں نے تجارت میں بہت ترقی کی اور پھر ان کے اندر عقائدی خرابیوں کے ساتھ ساتھ وہ برائیاں بھی پیدا ہو گئیں جو تجارت پیشہ قوموں میں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ آگے حضرت شعیبؑ کی دعوت میں ان لوگوں کی ان برائیوں کا ذکر ہے۔

قال یاقوم .... قد جاءتکم بینة من ربکم۔ یہاں جس 'بینة' کا ذکر ہے اس کی کوئی تفصیل قرآن یا تورات میں مذکور نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کوئی حسی معجزہ ہو جو عام

سنت الٰہی کے مطابق، دوسرے رسولوں کی طرح ان کو بھی عطا ہوا ہو لیکن قرآن نے اس کی طرف صرف اشارہ کر دیا، اس کی نوعیت واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد خود ان کی اپنی ذات اور اپنی دعوت ہو اس لیے کہ رسول خود اپنی ذات میں ایک عامل بینہ اور کامل حجت ہوتا ہے۔ وہ ہر پہلو سے حق کو اس طرح واضح اور مبرہن کر دیتا ہے کہ ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں کے سوا کسی کے لیے بھی اس سے اعراض کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ معجزہ نبوت کے شرائط میں سے نہیں بلکہ ضروریات اور توابع میں سے ہے۔ کوئی قوم اگر مطالبہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے، اتمام حجت کے طور پر، نبی کے ذریعہ سے معجزہ بھی صادر کرا دیتا ہے۔ نبی کی اصل دعوت ان بینات پر مبنی ہوتی ہے جو عقل و فطرت کے اندر ودیعت ہیں اور اس کی زندگی ان بینات کا مظہر کامل ہوتی ہے۔ وہ اپنی قوم کے اندر خدا کا ایک چلتا پھرتا نور ہوتا ہے۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر کلمہ، اس کا ہر اشارہ اور اس کا ہر عمل اس کی صداقت، اس کی حکمت، اور اس کے سفیر الٰہی ہونے کی ایسی گواہی ہوتا ہے کہ اس کی تکذیب صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے دل کی گواہی کے خلاف اس کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں۔

فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ تجارتی کاروبار اور لین دین میں چونکہ اشیاء عام طور پر ناپی یا تولی جاتی ہیں اس غالب پہلو کے سبب سے ناپ تول ہی کا ذکر ہوا، اصل مقصود معاملات میں دیانت اور راست بازی کی تعلیم ہے۔ ناپ تول میں کمی کرنا کوئی منفرد برائی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کسی قوم کے اندر بہت سی برائیوں کے جمع ہو جانے کی علامت ہے۔ یہ درحقیقت عدل و قسط کے تصور کے مختل ہو جانے اور خدا کے قایم بالقسط ہونے کے عقیدے کے مردہ ہو جانے کی نشانی ہے جس کا فساد لازماً زندگی کے ہر پہلو میں سرایت کرتا ہے لیکن سرطانی پھوڑے کی طرح اس کا ظہور کسی کے اندر کسی پہلو سے ہوتا ہے، دوسرے کے اندر کسی اور پہلو سے۔ مدین کے لوگ چونکہ تجارت پیشہ تھے اس وجہ سے ان کے اندر یہ ناپ تول کی خیانت کی شکل میں ظاہر ہوا لیکن تھا یہ ان کے پورے نظام تمدن و معاشرت میں سرایت کئے ہوئے اس وجہ سے قرآن نے ایفائے کیل و میزان کی تاکید کے ساتھ منفی پہلو سے بھی واضح فرمایا کہ ملک میں فساد نہ مچاؤ یعنی یہ ناپ تول کی کمی ملک کے پورے نظام معاشرت و معیشت کے درہم برہم کر دینے کے ہم معنی ہے۔ اگر تمہاری یہ روش نہ بدلی تو بالآخر تمدن کی عمارت کی کوئی بھی اینٹ اپنے مقام پر قائم نہ رہ سکے گی اس لیے کہ خدا نے آسمان و زمین کو ایک میزان پر قائم کیا ہے۔ اگر یہ میزان ایک پل کے لیے بھی مختل ہو جائے تو آسمان و زمین درہم برہم ہو جائیں۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بندے اپنے دائرہ اختیار میں بھی ملک کے نظام کو اسی وقت تک قائم

رکھ سکیں گے جب تک وزن وقسط کو قائم رکھیں گے، اگر وزن وقسط کو انھوں نے درہم برہم کیا تو پھر پورے نظام کی ایک ایک چول ہل جائے گی۔ سورۂ رحمان میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔ والسماء رفعھا ووضع المیزان الا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان ۷-۹ رحمان (اور آسمان کو بلند کیا اور اس میں ایک میزان رکھی، یہ اس لیے کہ تم بھی میزان میں حد وسے نہ بڑھو اور وزن بالکل ٹھیک ٹھیک قائم کرو اور میزان میں کمی نہ کرو)

'بعد اصلاحھا' کی قید کے اندر جو زور ہے اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ یہاں اوپر کی ساری تقریر کے بعد اس کا مفہوم مزید واضح ہوگیا ہے۔ اوپر آپ نے دیکھا کہ قوموں نے اپنی سرکشی کے سبب سے بار بار نظام حق وعدل کو درہم برہم کیا ہے اور قدرت کے ہاتھوں نے ہر بار اس کو درست کیا ہے۔ حضرت نوحؑ کی سرگزشت سے لے کر حضرت شعیبؑ کی سرگزشت تک ہر قوم اور ہر رسول کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے۔ اہل مدین کو بھی جو اقتدار حاصل ہوا تھا ایک فاسد اقتدار کو مٹا کر حاصل ہوا تھا۔ یہ لوگ دین وشریعت سے ناآشنا لوگ نہ تھے بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے نسبت رکھنے والے اور پچھلے نبیوں کی تعلیم کے حامل ہونے کے مدعی تھے لیکن دوسری قوموں کی طرح انھوں نے بھی اس تعلیم کو اپنی خواہشات نفس کے سانچے میں ڈھال لیا تھا چنانچہ اسی بنیاد پر حضرت شعیبؑ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ 'ذلکم خیر لکم ان کنتم مومنین' اگر تمہیں ایمان کا دعوے ہے تو اس دعوے کی صداقت کے لیے ضروری ہے کہ اس فساد کی روش کو چھوڑ کر اصلاح کی وہ روش اختیار کرو جس کی دعوت میں دے رہا ہوں۔ یہی روش اس ایمان کا مقتضی ہے جس کے تم مدعی ہو۔

'ولا تقعدوا بکل صراط توعدون وتصدون عن سبیل اللہ من آمن بہ وتبغونھا عوجا' یہ قوم کے سرکشوں کی ان سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ حضرت شعیبؑ کے ساتھیوں کو ہراساں اور خوف زدہ کرنے اور ایمان کی راہ سے ہٹانے کے لیے اختیار کیے ہوئے تھے معلوم ہوتا ہے جگہ جگہ ہر نکڑ پر گنڈے سر راہ بیٹھ جاتے اور جہاں کوئی مسلمان مل جاتا اس کے درپئے آزار ہو جاتے۔ اس کو ڈراتے دھمکاتے کہ وہ حضرت شعیبؑ کا ساتھ اور ایمان کی راہ چھوڑ کر پھر ان کے طریقہ پر آجائے۔ 'تبغونھا عوجا' کی وضاحت ہم دوسری جگہ کر چکے ہیں۔ خدا تک پہنچنے کی راہ توحید ہے۔ اس راہ میں کجی پیدا کرنے کے معنی اس کو شرک کی پگ ڈنڈیوں کی طرف موڑنے اور لوگوں کو توحید سے ہٹا کر گمراہی کے راستوں پر ڈالنے کے ہیں۔

'واذکروا اذ کنتم قلیلا فکثرکم وانظروا کیف کان عاقبۃ المفسدین' پہلے جملے

میں شکر کی دعوت اور دوسرے جملے میں کفران نعمت کے انجام کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم چھوٹے سے خاندان کی شکل میں اس علاقے میں آکر بسے تھے۔ پھر خدا نے تم کو ایک طاقتور قوم بنا دیا۔ تمہاری تعداد کی کثرت کے ساتھ تمہارے اسباب معیشت و تمدن میں بھی اضافہ ہوا یہاں تک کہ اسباب و وسائل کے اعتبار سے تم اس درجے کو پہنچے جو آج تمہیں حاصل ہے۔ یہ سب اللہ کی دین ہے اور اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ خدا کے شکر گزار بنو اور زندگی کی وہ روش اختیار کرو جو خدا کو پسند ہے۔ لیکن تم نے اس کے برخلاف کفران نعمت اور سرکشی کی راہ اختیار کی ہے اور خدا کی زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مچا رہے ہو تو مفسدین کے انجام کو نہ بھولو۔ تمہارے دائیں بائیں ثمود اور قوم لوطؑ کے آثار تباہی موجود ہیں۔ ان کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

وان کان طائفۃ منکم اٰمنوا بالذی ارسلت بہ وطائفۃ لم یؤمنوا فاصبروا حتی یحکم اللہ بیننا وھو خیر الحاکمین، اوپر مفسدین کے جس انجام سے ڈرایا ہے یہ اسی سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مفسدین کا یہ انجام تو قطعی اور یقینی ہے۔ تمہیں جو مہلت مل رہی ہے اس سے یہ نہ سمجھو کہ میری بات جھوٹی ہے۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ خدا نے اب تک جو تمہیں مہلت دے رکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں سے ایک گروہ میری بات پر ایمان لایا ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم میں سے اور بھی جن کے اندر کچھ صلاحیت ہے وہ چھٹ کر علیحدہ ہو جائیں۔ بس ان کی خاطر تمہیں یہ مہلت مل رہی ہے۔ اس مہلت تک انتظار کرو۔ اس کے بعد خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔

یہ حضرت شعیبؑ نے ایک سنت الٰہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ قوم کی غالب اکثریت رسول کی دعوت کا انکار کر دیتی ہے اور اس انکار پر اڑ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بات جلد واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ قوم ایمان کی صلاحیت سے بالکل خالی ہے۔ پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر اس پر عذاب بھی جلد آجاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ قوم کے اندر سے ایک گروہ ایمان لاتا ہے، دوسرا گروہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ صورت اس بات کا قرینہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے اندر کچھ صلاحیت موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو مزید بلویا جائے تو اس کے اندر سے کچھ مزید مکھن نکلے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر غایت درجہ مہربان اور قہر کرنے میں بہت دھیما ہے اس وجہ سے وہ ایسی صورت میں قوم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ نبی اور صالحین اپنی پوری قوم کو اپنے چھاج میں اچھی طرح پھٹک لیتے ہیں۔ اس عمل کے پورے ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس قوم کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اس آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ قوم کو یہ مہلت ان

صالحین کی برکت سے ملتی ہے جو اس کے اندر سے رسول کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ 'فاصبروا' یہاں انتظار کے معنی میں ہے۔ اور 'خیر الحاکمین' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہرحال اس کا فیصلہ بالکل حق و عدل پر مبنی ہوگا اور ٹھیک اس وقت ہوگا جبکہ اس کو ہونا چاہیئے۔

'قال الملأ الذین استکبروا' یہ قوم کے متکبرین کی طرف سے حضرت شعیبؑ اور ان کے ساتھیوں کو آخری دھمکی ہے کہ یا تو تم ہماری ملت میں واپس آجاؤ ورنہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال چھوڑیں گے۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے فرمایا 'اولو کنا کارھین'، یعنی کیا تم اپنی ملت میں لوٹنے پر ہماری خواہش اور ارادہ کے علی الرغم ہمیں مجبور کرو گے؟ حضرت شعیبؑ کے اس ارشاد سے یہ بات صاف نمایاں ہے کہ انہوں نے وطن سے نکالے جانے کی دھمکی کو تو یک قلم نظر انداز کر دیا لیکن ان کی دوسری دھمکی کا نوٹس لیا اور اس کا جواب بڑے واضح اور قطعی لفظوں میں دیا جس کی تفصیل آگے والی آیت میں ہے۔

'قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذ نجّٰنا اللہ منھا'۔ یہ بڑا ہی فیصلہ کن جواب ہے۔ اس میں ایمان پر غیر متزلزل عزم کا اظہار بھی ہے اور ملت کفر سے انتہائی بیزاری کا اعلان بھی۔ حضرت شعیبؑ نے اول تو اس ملت کو 'افترا علی اللہ' قرار دیا گویا سراسر جھوٹ کا مجموعہ جس کو بالکل بے سند خدا کی طرف نسبت دے دی گئی ہے۔ دوسرے فرمایا کہ جب اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے اس لعنت سے ہمیں نجات دی تو ہمارے لیے اس میں دوبارہ مبتلا ہونے کا کیا سوال ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ جواب حضرت شعیبؑ اپنے ان ساتھیوں کی طرف سے بھی دے رہے ہیں جو حضرت شعیبؑ پر ایمان لانے سے پہلے قوم کی عام گمراہی میں مبتلا رہ چکے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے "بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی" کے الفاظ فرمائے ورنہ جہاں تک حضرات انبیاءؑ کا تعلق ہے وہ بعثت سے پہلے بھی ہدایت فطرت پر ہوتے ہیں۔ ان کا دامن شرک سے کبھی آلودہ نہیں ہوتا۔

'وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشاء اللہ ربنا'۔ اس فقرے کے پہلے ٹکڑے میں اپنے عزم کا اظہار اور دوسرے میں تفویض الی اللہ ہے۔ اور یہی عزم اور تفویض توحید کی حقیقت ہے۔ ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے یہ صاف سن لو کہ اب تمہاری ملت میں واپس آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن اللہ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کی آزمائشوں میں کامیاب اترنا اس کی بخشی ہوئی توفیق پر منحصر ہے۔ یہ صرف اسی کو علم ہے کہ کس کے لئے کیا مقدر ہے اور کس کا انجام کیا ہونا ہے۔ (وسع ربنا کل شیء علما) پس ہمارا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہے۔ اسی نے ہماری اس راہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور اسی سے یہ امید ہے کہ ہمیں ٹھکانے لگائے گا (علی اللہ توکلنا) پس ہماری اس سے

میں شکر کی دعوت اور دوسرے جملے میں کفران نعمت کے انجام کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم چھوٹے سے خاندان کی شکل میں اس علاقے میں آکر بسے تھے۔ پھر خدا نے تم کو ایک طاقتور قوم بنا دیا۔ تمہاری تعداد کی کثرت کے ساتھ تمہارے اسباب معیشت و تمدن میں بھی اضافہ ہوا یہاں تک کہ اسباب و وسائل کے اعتبار سے تم اس درجے کو پہنچے جو آج تمہیں حاصل ہے۔ یہ سب اللہ کی دین ہے اور اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ خدا کے شکر گزار بنو اور زندگی کی وہ روش اختیار کرو جو خدا کو پسند ہے۔ لیکن تم نے اس کے برخلاف کفران نعمت اور سرکشی کی راہ اختیار کی ہے اور خدا کی زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مچا رہے ہو تو مفسدین کے انجام کو نہ بھولو۔ تمہارے دائیں بائیں ثمود اور قوم لوط کے آثار تباہی موجود ہیں۔ ان کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

وان کان طائفۃ منکم اٰمنوا بالذی ارسلت بہ وطائفۃ لم یؤمنوا فاصبروا حتی یحکم اللہ بیننا وھو خیر الحاکمین، اوپر مفسدین کے جس انجام سے ڈرایا ہے یہ اسی سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مفسدین کا یہ انجام تو قطعی اور یقینی ہے۔ تمہیں جو مہلت مل رہی ہے اس سے یہ نہ سمجھو کہ میری بات جھوٹی ہے۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ خدا نے اب تک جو تمہیں مہلت دے رکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں سے ایک گروہ میری بات پر ایمان لایا ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم میں سے اور بھی جن کے اندر کچھ صلاحیت ہے وہ چھٹ کر علیحدہ ہو جائیں۔ بس ان کی خاطر تمہیں یہ مہلت مل رہی ہے۔ اس مہلت تک انتظار کرو۔ اس کے بعد خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔

یہ حضرت شعیبؑ نے ایک سنت الٰہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ قوم کی غالب اکثریت رسول کی دعوت کا انکار کر دیتی ہے اور اس انکار پر اڑ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بات جلد واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ قوم ایمان کی صلاحیت سے بالکل خالی ہے۔ پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر اس پر عذاب بھی جلد آجاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ قوم کے اندر سے ایک گروہ ایمان لاتا ہے، دوسرا گروہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ صورت اس بات کا قرینہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے اندر کچھ صلاحیت موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو مزید بلویا جائے تو اس کے اندر سے کچھ مزید مخلص نکلیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر غایت درجہ مہربان اور قہر کرنے میں بہت دھیما ہے اس وجہ سے وہ ایسی صورت میں قوم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ نبی اور صالحین اپنی پوری قوم کو اپنے چھاج میں اچھی طرح پھٹک لیتے ہیں۔ اس عمل کے پورے ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس قوم کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اس آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ قوم کو یہ مہلت ان

صالحین کی برکت سے ملتی ہے جو اس کے اندر سے رسول کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ 'فاصبروا' یہاں انتظار کے معنی میں ہے۔ اور 'خیر الحاکمین' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہرحال اس کا فیصلہ بالکل حق و عدل پر مبنی ہوگا اور ٹھیک اس وقت ہوگا جبکہ اس کو ہونا چاہیئے۔

'قال الملأ الذین استکبروا من قومہ' یہ قوم کے متکبرین کی طرف سے حضرت شعیبؑ اور ان کے ساتھیوں کو آخری دھمکی ہے کہ یا تو تم ہماری ملت میں واپس آجاؤ ورنہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال چھوڑیں گے۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے فرمایا 'اولو کنا کارھین'، یعنی کیا تم اپنی ملت میں لوٹنے پر ہماری خواہش اور ارادہ کے علی الرغم ہمیں مجبور کرو گے؟ حضرت شعیبؑ کے اس ارشاد سے یہ بات صاف نمایاں ہے کہ انہوں نے وطن سے نکالے جانے کی دھمکی کو تو یک قلم نظر انداز کر دیا لیکن ان کی دوسری دھمکی کا نوٹس لیا اور اس کا جواب بڑے واضح اور قطعی لفظوں میں دیا جس کی تفصیل آگے والی آیت میں ہے۔

'قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذ نجنا اللہ منھا'۔ یہ بڑا ہی فیصلہ کن جواب ہے۔ اس میں ایمان پر غیر متزلزل عزم کا اظہار بھی ہے اور ملت کفر سے انتہائی بیزاری کا اعلان بھی۔ حضرت شعیبؑ نے اول تو اس ملت کو 'افترا علی اللہ' قرار دیا گویا سراسر جھوٹ کا مجموعہ جس کو بالکل بے سند خدا کی طرف نسبت دے دی گئی ہے۔ دوسرے فرمایا کہ جب اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے اس لعنت سے ہمیں نجات دی تو ہمارے لیے اس میں دوبارہ مبتلا ہونے کا کیا سوال ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ جواب حضرت شعیبؑ اپنے ان ساتھیوں کی طرف سے بھی دے رہے ہیں جو حضرت شعیبؑ پر ایمان لانے سے پہلے قوم کی عام گمراہی میں مبتلا رہ چکے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے "بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی" کے الفاظ فرمائے ورنہ جہاں تک حضرات انبیاء کا تعلق ہے وہ بعثت سے پہلے بھی ہدایت فطرت پر ہوتے ہیں۔ ان کا دامن شرک سے کبھی آلودہ نہیں ہوتا۔

'وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشاء اللہ ربنا'۔ اس فقرے کے پہلے ٹکڑے میں اپنے عزم کا اظہار اور دوسرے میں تفویض الی اللہ ہے اور یہی عزم اور تفویض توحید کی حقیقت ہے۔ ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے یہ صاف سن لو کہ اب تمہاری ملت میں واپس آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن اللہ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کی آزمائشوں میں کامیاب اترنا اس کی بخشی ہوئی توفیق پر منحصر ہے۔ یہ صرف اسی کو علم ہے کہ کس کے لئے کیا مقدر ہے اور کس کا انجام کیا ہونا ہے۔ (وسع ربنا کل شیء علما) پس ہمارا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہے۔ اسی نے ہماری اس راہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور اسی سے یہ امید ہے کہ ہمیں ٹھکانے لگائے گا (علی اللہ توکلنا) پس ہمارا اسی سے

یہ دعا ہے کہ اے ہمارے رب، ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔ ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین۔ بعینہٖ یہی بات سیدنا ابراہیمؑ نے فرمائی تھی جو سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔ قال اتحاجونی فی اللہ وقد ھدٰن ولا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء ربی شیئا، وسع ربی کل شیء علما ۸۱ (کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو اور حال یہ ہے کہ اس نے مجھے ہدایت بخشی، اور میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے)

'وقال الملا الذین کفروا من قومہ لئن اتبعتم شعیبا انکم اذا لخاسرون'۔ حضرت شعیبؑ کے مذکورہ بالا فیصلہ کن جواب کے بعد اب ان سے تو ان متمردین کے لیے کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی نہیں رہی لیکن چلتے چلاتے انہوں نے ایک آخری دھمکی ان غریب مسلمانوں کو اور سنا دی جو حضرت شعیبؑ پر ایمان لائے تھے کہ اگر تم لوگوں نے اس شخص کا ساتھ نہ چھوڑا تو یاد رکھو کہ بڑے ہی خسارے میں رہو گے۔ اس خسارے کی انہوں نے کوئی وضاحت نہیں کی اس لیے کہ اس کے ابہام میں ہی سب کچھ چھپا ہوا ہے۔ اور اس لفظ کے استعمال میں ہمدردی کی نمائش بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو نیک و بد تمہیں سمجھا دیا ہے لیکن اپنی بہبود کی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو اس کے نتائج خود بھگتو گے۔

'فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین'۔ بعینہٖ یہی آیت اوپر قوم صالحؑ کی سرگزشت میں بھی گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ مجرد عذاب کی تعبیر ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس عذاب کی نوعیت کیا تھی تو اس سوال کی وضاحت اس لفظ سے نہیں ہوتی۔ اس عذاب کی تعبیر سورۂ ہود آیت ۹۴ میں لفظ 'صیحۃ' سے کی گئی ہے جس کے معنی ڈانٹ اور کڑک کے ہیں۔ پھر اسی کی تعبیر سورۂ شعراء آیت ۱۸۹ میں 'عذاب یوم الظلۃ' سے کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دور سے دیکھنے میں غبار یا دھوئیں کے ایک ستون یا بادل کی شکل میں نظر آیا۔ یہ قرینہ، جیسا کہ قوم لوطؑ کی سرگزشت میں ہم بیان کر چکے ہیں، 'حاصب' کے عذاب کا ہے۔ 'حاصب' کے عذاب میں 'رجفۃ'، 'صیحۃ' اور 'ظلۃ' سب جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ قرآن کے ایک اور مقام سے بھی یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ان پر قوم لوط ہی والا عذاب نازل ہوا تھا۔ سورہ ہود میں حضرت شعیبؑ کی زبان سے قوم کو مخاطب کر کے یہ دھمکی نازل ہوئی ہے۔ یاقوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم ھود او قوم صالح وما قوم لوط منکم ببعید ۸۹۔ ہود (اے میرے ہم قومو، میری مخالفت تمہارے لیے کہیں اس بات کا باعث نہ بن جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کا عذاب آ دھمکے جس طرح کا عذاب قوم نوحؑ یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور بھی نہیں) اس آیت کے آخری فقرے پر غور کیجیے

تو اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ یہ بھی اسی صاحب کی زد میں آئے جس کی زد میں ان کے پیشرو پڑوسی قوم لوط کے لوگ آئے تھے۔

• الذین کذبوا شعیبا کان لم یغنوا فیھا، الذین کذبوا شعیبا کانوا ھم الخاسرین:۔
یہ اس عذاب کا نتیجہ بیان ہوا ہے اور اس کے دونوں فقروں میں ان دونوں دھمکیوں کی طرف تلمیح ہے جو قوم شعیبؑ کے کفار نے حضرت شعیبؑ اور ان کے ساتھیوں کو دی تھیں۔ انہوں نے دھمکی دی تھی کہ ہم تم کو اپنی بستی سے نکال چھوڑیں گے، اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ خود اس دیار سے اس طرح مٹے ع

گویا کہ ان تلوں میں کبھی تیل ہی نہ تھا

انہوں نے حضرت شعیبؑ کے ساتھیوں کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم اس شخص کی پیروی سے دست کش نہ ہوئے تو بڑے خسارے میں پڑو گے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارے میں پڑے۔

فتولی عنھم وقال یاقوم لقد ابلغتکم رسالات ربی ۔ یہی آیت الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اوپر قوم صالحؑ کی سرگزشت میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۷۹۔ وہاں ہم نے اس کے موقع و محل کی تفصیل سے وضاحت کی ہے۔ حضرت شعیبؑ نے یہ بات درحقیقت اس وقت فرمائی ہے جب انہوں نے خدا کی طرف سے حکم ہجرت مل جانے کے بعد اعلان براءت کر کے ہجرت فرمائی ہے لیکن عذاب کی مبادرت دکھانے کے لیے اس کا ذکر عذاب کے ذکر کے بعد ہوا۔ اس اسلوب کی مثالیں قرآن میں ایک سے ایک بڑھ کر لطیف موجود ہیں جو پیچھے بھی گزر چکی ہیں اور آگے بھی آئیں گی۔

فکیف آسیٰ علی قوم کافرین ۔ میں مجرد افسوس کی نفی نہیں بلکہ ہمدردانہ افسوس کی نفی ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں خدا کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی میں اپنے دن رات ایک کر دیئے۔ اس سب کے باوجود بھی اگر تم اپنا بیڑہ غرق کرنے ہی پر تلے بیٹھے ہو تو اب میرے لیے تمہارے اس انجام پر ترس کھانے کا کیا موقع باقی رہا!!

۱۲- آگے کا مضمون آیات ۹۴-۱۰۲

اوپر کی تمام سرگزشتیں سنانے سے مقصود قریش کو آگاہ کرنا تھا کہ جس کسوٹی پر یہ قومیں پرکھی گئیں وہی کسوٹی اب تمہارے سامنے ہے اور تم بھی، اگر تم نے اپنے رسول کی تکذیب کر دی، وہی انجام دیکھو گے جو انہوں نے دیکھا اس وجہ سے آگے کی آیات میں وہ اصول و ضوابط بھی نگاہوں کے سامنے کر دیئے ہیں جو مذکورہ بالا تاریخ سے سامنے آئے ہیں تاکہ قریش جو قدم بھی اٹھائیں تاریخ سے اچھی طرح آگاہ ہو کر اٹھائیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی رسول بھیجا، اس کے باشندوں کو مالی اور جسمانی مصائب سے آزمایا کہ وہ رجوع کریں۔ پھر ہم نے دکھ کو سکھ سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ دکھ اور سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ اس کا کوئی گمان نہیں رکھتے تھے۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا۔ ۹۴-۹۶

تو کیا بستیوں والے نچنت رہ سکے اس بات سے کہ آدھمکے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اور وہ سوئے پڑے ہوں۔ اور کیا بستیوں والے نچنت رہ سکے، اس بات سے کہ ان پر آدھمکے ہمارا عذاب دن دھاڑے اور وہ کھیل کود میں ہوں۔ تو کیا وہ اللہ کی تدبیر سے بچ سکے۔ تو یاد رکھو کہ خدا کی تدبیر سے وہی لوگ نچنت ہوتے ہیں جو نامراد ہونے والے ہوں۔ کیا سبق نہیں ملا ان لوگوں کو جو ملک کے وارث بنے ہیں اس کے اگلے باشندوں کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ابھی پکڑ لیں اور ان کے دلوں پر مٹھپہ لگا دیں تو وہ سننے سمجھنے سے رہ جائیں!۔

یہ بستیاں ہیں جن کی سرگزشتوں کا کچھ حصہ ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ ایمان لانے والے نہ بنے بوجہ اس کے کہ وہ پہلے سے جھٹلاتے رہے تھے۔ اس طرح اللہ ٹھپہ لگا دیا کرتا ہے کافروں کے دلوں پر۔ اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی استواری نہیں پائی۔ ان میں اکثر بدعہد ہی نکلے۔ ۹۷-۱۰۲

۱۳- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ۔ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ ۹۴-۹۵

ضرّاء اور سرّاء

'باساء' اور 'ضراء' کی تحقیق ۴۲ انعام کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ یہ دونوں لفظ جب ایک دوسرے کے بالمقابل استعمال ہوتے ہیں تو پہلے سے مالی آفتیں مراد ہوتی ہیں۔ مثلاً قحط، گرانی، کساد بازاری وغیرہ۔ اور دوسرے سے جسمانی آفتیں مثلاً بیماریاں اور وبائیں وغیرہ۔ لیکن جب 'ضراء' کا لفظ 'سراء' کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو یہ دونوں الفاظ ہر قسم کی بدحالی و خوش حالی کو اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں۔

'عفا الشیئ' کثر و طال۔ فلاں چیز خوب بڑھی، خوب اُگی۔ 'عفت الارض' عفا النبات۔ زمین سبزہ اور نباتات سے ڈھک گئی۔

نبی کی منادی کی تائید میں آفاق کی نشانیاں

یہ اس سنت الٰہی کا بیان ہے جو انبیا کی بعثت کے ساتھ لازماً ظاہر ہوتی ہے اور ان تمام انبیاء کے زمانوں میں ظاہر ہوئی جن کی سرگزشتیں اوپر بیان ہوئیں۔ وہ سنت یہ ہے کہ جب نبی توبہ و استغفار اور جزا و سزا کی منادی شروع کرتا ہے تو اس کے محرکات و موئیدات اس کائنات میں بھی ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں تاکہ نبی کی منادی سننے اور سمجھنے کے لیے لوگوں کے کان اور دل کھلیں۔ ایک طرف پیغمبر لوگوں کو غفلت و خدا فراموشی کے انجام، فساد فی الارض کے نتائج اور دنیا و آخرت میں خدا کی پکڑ سے ڈراتا ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ لوگوں کو سیلاب، قحط، وبا، طوفان کی آزمائشوں میں بھی مبتلا کرتا ہے تاکہ لوگ آنکھوں سے بھی، اگر ان کے پاس دیدۂ عبرت نگاہ ہو، دیکھیں کہ اس طرح اللہ جب چاہے اور جہاں سے چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے اور پھر خدا کے سوا کوئی ان کو بچانے والا نہیں بن سکتا۔ اس طرح گویا

دعوت کے ساتھ واقعات کی تائید اور عقل و فطرت کی شہادت کے ساتھ مشاہدہ کی اثر انگیزی بھی جمع ہو جاتی ہے۔ نبی جو کچھ کہتا ہے، آسمان و زمین دونوں مل کر اپنے اسٹیج پر گویا اس کے مناظر دکھا بھی دیتے ہیں تاکہ جن کے اندر اثر پذیری کی کچھ بھی رمق ہو وہ خدا کے آگے جھکیں اور توبہ و اصلاح کریں۔

آزمائشوں کی ایک اور کروٹ

جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور اثر قبول کرنے والے دل ہوتے ہیں وہ ان آزمائشوں سے فائدہ اٹھاتے اور خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ان کو گویا نبی کی دعوت کی بازگشت تمام عناصر کائنات سے سنائی دیتی ہے اور وہ صرف کانوں سے سنتے ہی نہیں بلکہ آنکھوں سے دیکھتے بھی ہیں لیکن جن کے دل پتھر اور کان بہرے ہو چکے ہوں ان کے لیے یہ سنت الٰہی ایک دوسری شکل اختیار کر لیتی ہے۔ وہ یہ کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے دیتا ہے۔ بدحالی کی جگہ خوش حالی آ جاتی ہے، دنیوی اسباب و وسائل کے ہر گوشے میں ترقی و فراخی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آزمائشوں اور تکلیفوں کے دن ذہنوں سے نکل جاتے ہیں۔ پھر سرکش لوگ چہکتے اور نبی اور اس کے ساتھیوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ عقل کے کوتاہ لوگ، پچھلے قحط یا گزشتہ سیلاب یا فلاں آفت کو ہمارے اعمال و عقائد کی خرابی پر خدا کی تنبیہ سمجھتے تھے اور اپنے وعظوں میں طرح طرح سے ہم کو ڈراتے اور پست ہمت کرتے رہے حالانکہ ان باتوں کا ایمان و اخلاق سے کیا تعلق؟ اس قسم کی گردشیں قوموں کی زندگی میں آیا ہی کرتی ہیں۔ ایسے دن کچھ ہمارے ہی اوپر تو نہیں گزرے ہیں، ہمارے باپ دادوں پر بھی گزرے ہیں جو بڑے اچھے اور نیک نہاد لوگ تھے۔ یہ تو زمانے کے اتفاقات ہیں کبھی تنگی ہے کبھی فراخی، کبھی فصل اچھی ہوئی کبھی ماری گئی، کبھی سیلاب آ گیا، کبھی قحط پڑ گیا، ان چیزوں کو اعمال و اخلاق سے باندھ دینا محض خود باختگی اور وہمی پن ہے۔

جس طرح آفات و مصائب کے ظہور کا مقصد لوگوں کو جھنجھوڑنا اور بیدار کرنا بتلایا گیا ہے (لعلھم یضرعون) اسی طرح اس امہال اور ڈھیل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان تنبیہات سے نہیں جاگے ہیں وہ اور بدمست ہو کر گہری نیند سو جائیں تاکہ خدا کا عذاب ان کو ایسی حالت میں دبوچے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو کہ کب آیا اور کہاں سے آیا۔ فاخذنٰھم بغتۃ وھم لا یشعرون۔[1]

یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ جو آزمائشیں اور آفتیں لوگوں کے اندر توجہ الی اللہ یا قرآن کے

---

[1] اس سنت الٰہی کی وضاحت ہم انعام کی آیات ۴۲ - ۴۴ کے تحت بھی کر چکے ہیں۔ نیز اعراف کی آیت ۱۳۰ کے تحت بھی اس کے بعض پہلو واضح ہوں گے۔

ابلیسی مغالطہ

الفاظ میں تضرع پیدا کرنے کے لیے آتی ہیں وہ عام اور مشترک ہوتی ہیں۔ ان میں نیک و بد دونوں ہی تپائے جاتے ہیں۔ یہ صورت حال نادانوں اور سرکشوں کے لیے ایک وجہ فتنہ و مغالطہ بن جاتی ہے۔ وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جب اس قحط یا وبا نے عقیدہ اور عقیدہ، کردار اور کردار میں کوئی فرق نہیں کیا، اس کا نشانہ جس طرح ہم بنے اسی طرح ہمارے ملامت گر اور ناصح بھی بنے تو یہ کس طرح تسلیم کیا جائے کہ اس کا کوئی رشتہ کفر و ایمان اور عقائد و اعمال سے ہے، یہ بات تو اس صورت میں صحیح ہوتی جب نبی اور اس کے ساتھی اس قحط یا آفت سے اس طرح بچا لیے گئے ہوتے کہ ان کے لئے تو آسمان سے من و سلویٰ اترتا ہوتا اور ہم سوکھے چمڑے چاٹتے ہوتے۔ جب یوں نہیں ہوا بلکہ ہم اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ گرفتار مصائب رہے تو یہ کس طرح مانا جائے کہ ان مصائب کا کوئی علاقہ لوگوں کی نیکی و بدی سے ہے۔ درحقیقت یہی مغالطہ ہے جو انبیاء کے مخالفین کی طرح آج کے بدمستوں کو بھی اندھا بنائے ہوئے ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ سائیکلون اٹھا اور وہ بلا امتیاز نیک و بد سب کو بہالے گیا، زلزلہ آیا اور اس نے مندر، مسجد، کلیسا سب ڈھا دیئے، قحط آیا اور اس کی زد میں نمازی اور غیر نمازی، فاسق اور مومن سب آئے۔ یہ چیزیں ان کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ اول تو وہ ان چیزوں سے کوئی صحیح اثر لیتے ہی نہیں اور اگر وقتی طور پر دلوں میں کچھ گداز پیدا ہوتا بھی ہے تو اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ بہت جلد خواہشیں ان کو اسی غفلت و سرمستی میں مبتلا کر دیتی ہیں جس میں وہ اب تک مبتلا رہے تھے اور ان کا مرشد شیطان ان کو وہی جاہلی فلسفہ از سر نو پڑھا دیتا ہے جس کا ذکر اوپر گزرا کہ "قد مس اٰباءنا الضراء والسراء" اس قسم کے سرد و گرم دن تو قوموں پر آتے ہی رہتے ہیں۔ اس ابلیسی مغالطہ سے محفوظ رہنے کے لیے اس حقیقت کو ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہیے کہ تنبیہی مصائب میں اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے نیک و بد میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کا مقصود سزا دینا نہیں بلکہ لوگوں میں تضرع پیدا کرنا ہوتا ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے بڑا فرق ہوتا ہے۔ اہل ایمان اگر ان مصائب میں کوئی حصہ پاتے ہیں تو اس سے ان کے تضرع میں مزید اضافہ ہوتا ہے جس سے ان کی کوتاہیوں کی تلافی اور ان کے مراتب و مدارج میں ترقی ہوتی ہے۔ برعکس اس کے جن لوگوں کے اندر ان سے تضرع پیدا نہیں ہوتا ان پر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جب ان پر فیصلہ کن عذاب آتا ہے تو وہ ان کا استیصال کر دیتا ہے۔ پھر اس کی زد سے ان کے اندر کے وہی لوگ بچتے ہیں جو اصلاحِ منکر کا فرض ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔

آیت ۹۶ — نعمتیں

"ولو ان اهل القرٰی اٰمنوا واتقوا لفتحنا الاٰیۃ"۔ "اهل القرٰی" سے مراد یہی قومیں ہیں جن کی تکذیب کی داستان اوپر بیان ہوئی ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی

راہ اختیار کرتے تو اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ کرتا کہ ایک مہلت دینے کے بعد ان کو عذاب میں پکڑ لیتا بلکہ ان کے لیے آسمان و زمین دونوں طرف سے اپنی بے پایاں برکتوں کے دروازے کھول دیتا۔ یہاں دو حقیقتیں واضح ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ کسی قوم کو ڈھیل کے طور پر اسباب و مال کی جو فراخی حاصل ہوتی ہے وہ خدا کی رحمت و برکت نہیں ہوتی بلکہ اس کی نوعیت مریض کے آخری سنبھالے کی ہوتی ہے جس کے بعد ایک آخری ہچکی کی کسر باقی رہ جاتی ہے جو مریض کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ جس طرح شمع بجھنے سے پہلے ایک مرتبہ بھڑکتی ہے پھر بجھ جاتی ہے اسی طرح یہ قوم آخری بار بھڑک کر بجھ جاتی ہے۔

دوسری یہ کہ ایمان و تقویٰ کی زندگی جس طرح آخرت میں خدا کی رحمتوں کی ضامن ہے اسی طرح دنیا میں بھی اگر کوئی قوم اس کو اختیار کرے تو یہ آسمان و زمین کی تمام برکتوں اور فیروزمندیوں کی کلید ہے۔ نادان ہیں وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی کامیابیوں کی راہ میں خدا پرستی اور خدا ترسی کوئی رکاوٹ ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّهُمۡ نَآٮِٕمُوۡنَ ؕ اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۞ اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۔ ۹۷ - ۹۹

اَهۡلُ الۡقُرٰى سے اشارہ انہی قوموں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر گزرا۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قریش کو توجہ دلائی کہ کیا وہ خدا کے عذاب کے مقابل میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی بند باندھ سکے؟ ہمارا عذاب ان پر رات کی تاریکیوں میں دبے پاؤں بھی آیا جبکہ وہ سو رہے تھے اور دن دہاڑے ڈنکے کی چوٹ بھی آیا جبکہ وہ اپنی دلچسپیوں اور سرگرمیوں میں مصروف تھے لیکن نہ رات میں اس سے اپنے کو بچا سکے نہ دن میں۔ خدا کی تدبیر بے امان ہے کسی کی طاقت نہیں کہ اس سے اپنے کو بچا سکے۔ اس وجہ سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس سے نچنت اور بے خوف رہے۔ اس سے نچنت اور بے خوف صرف وہی رہتے ہیں جن کی شامت آئی ہوئی ہو اور وہ نامراد ہونے والے ہوں۔ مکر جیسا کہ دوسرے مقام میں ہم واضح کر چکے ہیں، خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں۔ خفیہ تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ خدا وہاں سے پکڑتا ہے جہاں سے کسی کو پکڑے جانے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اوپر تنبیہ کے بعد ڈھیل کی جو سنت بیان ہوئی وہ اسی خفیہ تدبیر الٰہی کی ایک مثال ہے۔ قوم تو سمجھتی ہے کہ اب اس نے بالا مار لیا لیکن درحقیقت وہیں اس کی ہلاکت کا گڑھا ہوتا ہے۔

اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۔ ۱۰۰

'الذین یرثون الارض' سے مراد یہاں قریش ہیں۔ فرمایا کہ جو لوگ انہی قوموں کے بعد جن کا ذکر اوپر گزرا اس ملک میں حکومت و اقتدار کے وارث ہوئے ہیں آخر وہ اپنے مورثوں کی تاریخ سے سبق کیوں نہیں لیتے؟ خدا نے جس ترازو اور جس باٹ سے ان کو تولا وہ اسی باٹ اور ترازو سے ان کو کیوں نہیں تولے گا؟ فرمایا کہ آخر وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس طرح ہم نے ان کو ان کے جرموں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اسی طرح جب چاہیں، ان کو بھی ہلاک کر دیں۔

'ونطبع علی قلوبھم فھم لا یسمعون' بالکل اسی محل میں ہے جس محل میں سورۂ انعام میں فرمایا ہے۔ قل ارایتم ان اخذ اللہ سمعکم وابصارکم وختم علی قلوبکم من الٰہ غیر اللہ یاتیکم بہ۔ ۴۶ (ان سے پوچھو، اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں سلب کر لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں یہ چیزیں واپس دے سکے) یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ دلوں پر مہر عذاب الٰہی کا مقدمہ ہے۔ کسی قوم پر عذاب الٰہی نازل ہونے سے پہلے اس کے دلوں پر مہر لگتی ہے۔ اس باب میں خدا کا جو قانون ہے اس کی وضاحت ہم متعدد مقامات میں کر چکے ہیں۔ اسی کی دھمکی یہاں قریش کو دی ہے کہ ابھی تو ہم نے ان کے دلوں پر مہر نہیں کی ہے لیکن یہ ضد اور ہٹ دھرمی کی جس روش پر بڑھتے چلے جا رہے ہیں وہ وقت دور نہیں کہ ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیں اور یہ سننے سمجھنے سے بالکل ہی رہ جائیں۔ یہ ہمارے عذاب کا مقدمہ ہو گا جس کے بعد لازماً ہمارا فیصلہ کن عذاب نازل ہو جائے گا۔

دلوں پر مہر عذاب الٰہی کا مقدمہ ہے

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ ۱۰۱

دلوں پر مہر کب لگتی ہے؟ کس طرح کے لوگوں کے دلوں پر لگتی ہے اور بالآخر اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اس آیت میں ان سوالوں کا جواب ہے۔ فرمایا کہ ہم نے قوموں کی جو سرگزشت تمہیں سنائی ہے لوگوں کو چاہیے کہ اس سے سبق لیں۔ فرمایا کہ ان کے پاس خدا کے رسول نہایت واضح نشانیاں لے کر آئے لیکن وہ ان پر ایمان لانے والے نہ بنے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے خدا کی آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تھے۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عام آیات سے روگردانی کا عادی ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کا دل ایسا پتھر ہو جاتا ہے کہ رسولوں کے ذریعہ سے خاص نشانیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں تو وہ بھی اس پر کارگر نہیں ہوتیں۔ فرمایا کہ یہ طریقہ ہے ہمارے ہاں دلوں پر مہر لگنے کا۔ دل کا کام عبرت پذیری

تفکر اور تعقل ہے۔ اگر کوئی گروہ اس طرح اپنی خواہشوں کا اندھا بہرا مریدبن جاتا ہے کہ تذکیر و تنبیہ کے بعد بھی وہ دل کی آنکھیں نہیں کھولتا تو ایسے لوگوں کے دل بالکل چپاٹ ہوکے رہ جاتے ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ بما کذبوا یہاں 'یومنوا' کا مفعول نہیں ہے بلکہ 'با' بیان سبب کے لیے ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۱۰۲

یہ دلوں پر مہر لگنے کا نتیجہ اور اثر بیان ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی گروہ کے دلوں پہ مہر کر دیا کرتا ہے تو ان کی مت اس طرح ماری جاتی ہے کہ کوئی نشانی بھی ان کو دکھاؤ وہ اپنی جگہ سے کھسکنے کا نام نہیں لیتے۔ بار بار قسمیں کھا کھا کے عہد کریں گے کہ اگر فلاں معجزہ دکھا دو تو ہم مان لیں گے لیکن وہ معجزہ بھی دکھا دیا جائے تو پھر کسی نئے معجزے کا مطالبہ شروع کر دیں گے اور اپنے پہلے عہد سے پھر جائیں گے۔ لفظ 'فاسق' یہاں عہد شکن کے مفہوم میں ہے۔ یہی مضمون زیادہ وضاحت سے سورۂ انعام میں یوں بیان ہوا ہے۔ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(اور وہ بڑی پکی پکی قسمیں کھا کے یقین دلاتے ہیں کہ اگر کوئی معجزہ ان کو دکھایا جائے تو وہ ضرور اس پہ ایمان لے آئیں گے۔ کہہ دو معجزے تو اللہ ہی کے پاس ہیں، اور تمہیں کیا پتہ کہ اگر معجزہ بھی آ جائے گا جب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں۔ اور ہم ان کے دلوں اور ان کی بصیرتوں کو اسی طرح الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے اور ان کی سرکشی میں ان کو بھٹکتا چھوڑ دیں گے) آگے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت میں بھی یہی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی گئی ہے۔ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ ۖ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ۱۳۴-۱۳۵

(جب ان پہ کوئی آفت آتی وہ کہتے، اے موسیٰؑ، ہمارے واسطے اپنے رب سے، اس وعدے کی بنا پہ جو اس نے تم سے کر رکھا ہے، دعا کرو۔ اگر تم نے یہ بلا ہمارے سر سے ٹال دی تو ہم تمہاری بات ضرور مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ جانے دیں گے۔ پھر جب ہم اس آفت کو کچھ وقت کے لیے، جس تک لازماً ان کو پہنچنا ہوتا، ٹال دیتے تو وہ دفعتاً اپنا عہد توڑ دیتے) ؎

تاریخ تصوف اسلامی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

خلاصہ مطالب کتاب اللمع (۱)

اگرچہ کتاب اللمع اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس کا مکمل ترجمہ اردو زبان میں شائع کیا جائے تاکہ اس زمانے میں جو غیر اسلامی (مشرکانہ) تصوف مسلمانوں میں اسلامی تصوف کے نام سے مروج ہے، اس کا تریاق مہیا ہو سکے۔ لیکن یہ کام اس تاریخ کے دائرۂ عمل سے باہر ہے اس لئے ہم اس بے بہا کتاب کے اہم مطالب کے خلاصے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتاب مقدمے میں اس کتاب کے مرتب (ایڈیٹر یا مدیر) نے ان پانچ اشخاص کا تذکرہ کیا ہے جن کے ذریعے سے کتاب اللمع کا متن ان تک پہنچا۔ ان میں سے چار بغداد میں رہتے تھے۔ پانچواں دمشق میں رہتا تھا۔ ان پانچوں نے متن مذکور ابوالوقت عبدالاول ابن عیسیٰ ابن شعیب ابن اسحٰق السجزی الصوفی الہروی سے حاصل کیا اور انہوں نے ۴۶۵ھ میں اسے اپنے استاد ابوبکر الکوفانی سے حاصل کیا جنہوں نے اسے اپنے شیخ ابومحمد الجنوشانی سے حاصل کیا تھا۔

تمام حمد و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے برگزیدہ بندوں کو علم و حکمت و معرفت سے سرفراز فرمایا ہے۔ منابع العلوم تین ہیں (۱) قرآن حکیم (۲) احادیث رسول اکرم صلعم (۳) مکاشفات اولیاء

میں نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ اس زمانے میں حقیقی صوفیوں کے اصول و عقائد کی وضاحت بہت ضروری ہے کیونکہ بہت سے عیار اور فریبی لوگ صوفیوں کے لباس میں عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔

باب ۱ : علم تصوف کی توضیح و تشریح۔ صوفیہ کے اصول اور عقائد۔ علماء و فقہا کے مقابلے میں ان کی حیثیت۔ اسلامی تصوف قرآن اور حدیث سے مربوط ہے۔

باب ۲ : محدثین کے طبقات کی تفصیل۔ نقل و انتقال حدیث کا طریقہ۔ احادیث کی شناخت کا

میار اور اس علم میں ان کا درجہ تخصیص۔ آنحضرت صلعم نے محدثین کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ اللہ قیامت کے دن ان کے چہروں کو منور فرمائے۔

باب ۳ : طبقات فقہائ کی تفصیل اور ان علوم کی تصریح جن میں انہیں مہارت حاصل ہے۔

باب ۴ : صوفیہ کا بیان ، ان کے نظریات اور اشتغال و اعمال اور وہ خصائص جن کی بنا پر انہیں محدثین اور فقہا پر ترجیح حاصل ہے۔

باب ۵ : صوفیہ کے وہ آداب و احوال و علوم جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممیز ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ صوفیہ ان امور سے مجتنب رہتے ہیں جو ان کو ان کے مقصود (اللہ) سے دور کر دیتے ہیں۔

باب ۶ : دیگر امور کے لحاظ سے صوفیہ اور علماء میں فرق۔ علما کو بھی تسلیم ہے کہ تمام اسلامی تصوف قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔

باب ۷ : ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ عموماً جاہل ہوتے ہیں اور قرآن و حدیث سے تصوف کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

باب ۸ : اس اعتراض کی تفصیل جو صوفیہ ان لوگوں کے خلاف کیا کرتے ہیں جو تفقہ فی الدین کے مدعی ہیں۔ نیز اس نکتے کی وضاحت کہ تفقہ فی الدین سے کیا مراد ہے؟

باب ۹ : اس بات کی تفصیل کہ یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کو مذہبی علوم میں غیر معمولی درک حاصل ہو جائے۔ ان لوگوں کی تردید جو اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مسئلہ اس سے پوچھنا چاہیئے جو اس فن سے واقف ہو۔

باب ۱۰ : صوفی کی وجہ تسمیہ۔ یہ لفظ ان کے لباس (صوف) سے مشتق ہے۔

باب ۱۱ : ان لوگوں کے قول کا ابطال جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے صحابہؓ میں کوئی صوفی نہیں تھا در اصل بہت سے صحابہؓ صوفی تھے مگر ان کو اس نام سے یاد نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شرف صحبت (صحابیت) سب سے ارفع منصب ہے۔

باب ۱۲ : علم باطنی کا اثبات۔ علم باطنی کا تعلق قلب سے ہے۔

باب ۱۳ : تصوف کی تعریف اور اس کی ماہیت

باب ۱۴ : صوفیوں کی صفات اور خصوصیات اور اس کی تفصیل کہ وہ کون اور کیا ہوتے ہیں

باب ۱۵ : توحید کا بیان۔ موحد کی صفت اور حقیقت اور توحید کی تشریح۔ اس ضمن میں حضرات جنید بغدادیؒ، شبلیؒ، ابو سعید خرازؒ اور احمد ابن عطا بغدادیؒ کے اقوال سے استشہاد کیا ہے اور ان پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

باب ۱۶ : معرفت کا بیان۔ اس کے بارے میں متقدمین نے کیا صراحت کی ہے۔ عارف کی خصوصیات۔ محمد ابن عطا بغدادی نے معرفت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ سراج نے اپنا نظریہ بیان کیا ہے کہ در اصل خدا مجہول العلم ہے (اس کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا) اسی لئے عرفاء نے کہا ہے کہ "خدا کو خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔" امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ نے کیا خوب فرمایا "سب تعریف اُس خدا کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندوں کو اپنی ذات کا علم عطا کرنے کی یہ صورت پسند فرمائی کہ بندے اس بات کا اعتراف کریں کہ ہم تیری ذات کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔"

باب ۱۷ : عارف کا بیان اور اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی تفصیل۔

باب ۱۸ : ان وسائل اور ذرائع کی تفصیل جن سے خدا کو پہچانا یا جانا جا سکتا ہے۔ حسین نوری رح کا قول کہ عقل کے ذریعے سے کوئی شخص خدا کو نہیں جان سکتا۔ معرفت در اصل ایک انعام ہے جو اللہ کی طرف سے مخصوص بندوں کو ملتا ہے۔

کتاب الاحوال والمقامات

باب ۱۹ : مقامات اور ان کے حقائق کی تفصیل۔ مقام کی تعریف۔

باب ۲۰ : احوال کا مفہوم۔ سراج کی پیش کردہ تعریف احوال۔

باب ۲۱ : مقام توبہ۔ توبہ کی تعریف

باب ۲۲ : مقام ورع۔ ورع کی تعریف۔ اہل ورع کے تین طبقے۔

پہلا طبقہ۔ جو لوگ مشتبہ امور سے پرہیز کرتے ہیں۔

دوسرا طبقہ جو ہر موقع پر اپنے ضمیر کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ۔ جو ہر اُس بات سے مجتنب رہتے ہیں جو انہیں اللہ سے غافل کر سکتی ہے۔

باب ۲۳ : مقام زہد۔ زہد روحانی ترقی کا سنگ بنیاد ہے کیونکہ زہد کا مطلب ہے دنیا کی محبت کو دل سے نکال دینا اور آخرت کو مقصود بنانا۔ ایک لفظ زاہد میں محاسن کثیرہ مخفی ہیں۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔ پس زاہد وہ ہے جس کا دل دنیا کی محبت سے خالی ہو چکا ہو۔

باب ۲۴ : مقام فقر۔ فقر مومن کا زیور ہے۔ فقر کی تعریف میں صوفیہ کے اقوال۔

باب ۲۵ : مقام صبر۔ صبر کی تعریف پر جنید اور نوری کے اقوال۔

باب ۲۶ : مقام توکل۔ توکل سے متعلق قرآنی آیات اور ان کی تفسیر۔ صوفیہ کے اقوال۔

باب ۲۷ : مقام رضا۔ رضا کی تعریف اور ارباب رضا کی [illegible] بیانات۔

باب ۲۸ : مراقبۃ الاحوال اور ان کے حقائق کا بیان۔ ارباب احوال کی صفت۔
باب ۲۹ : حال القرب۔ قرب سے متعلق قرآنی آیات۔ یہ حال اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو قرب و محبت الٰہی کا مسلسل مراقبہ کرتا رہتا ہے۔ جنیدؒ کے اقوال متعلق قرب۔
باب ۳۰ : حال المحبۃ : قرآن سے اس بات کا ثبوت کہ اللہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ محبت کی تین صورتیں (۱) عوام کی محبت (۲) صدیقین کی محبت (۳) عارفین کی محبت۔
باب ۳۱ : حال الخوف : خوف کی تین قسمیں ہیں (۱) عوام کا خوف (۲) اواسط کا خوف (۳) اہل الخصوص کا خوفِ الٰہی۔ سہل تستریؒ کی تصریحات۔
باب ۳۲ : حال الرجا۔ رجا کی تین صورتیں (۱) اللہ سے امید (۲) اللہ کی رحمت کی امید (۳) اللہ سے ثواب کی امید۔ ذوالنون اور شبلی کے اقوال متعلق رجاء
باب ۳۳ : حال الشوق۔ حضور صلعم کی دعا کہ اے اللہ مجھے اپنے دیدار کا شوق عطا کر۔
باب ۳۴ : حال الأنس۔ انس کی تعریف از مصنفؒ۔ جنہیں اللہ سے انس ہو جاتا ہے وہ دنیا میں کسی شے سے نہیں ڈرتے۔
باب ۳۵ : حال الاطمینا نینۃ۔ آیت قرآنی "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" کی تفسیر۔ صاحبِ اطمینان کی خصوصیات۔ اطمینان کی تین قسمیں۔
باب ۳۶ : حال المشاہدات۔ آیت قرآنی " وشاھدٍ و مشھودٍ "کی تفسیر از ابوبکر الواسطی۔ حضورؐ کے اس ارشاد کی تشریح کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ مشاہدے کی تین قسمیں ماخوذ از کتاب المشاہدات مصنفہ عمرو ابن عثمان المکی۔
باب ۳۷ : حال الیقین۔ قرآن میں یقین کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ عامر ابن عبد قیس کا قول کہ اگر حجاب اٹھ جائے تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ سراج کا قول کہ یقین مکاشفے سے پیدا ہوتا ہے۔

کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ

باب ۳۸ : الموافقۃ لکتاب اللہ تعالیٰ۔ اس موضوع پر حدیث نبویؐ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول قرآن متقی کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لائے۔ قرآن کے معانی اُن لوگوں پر کھلتے ہیں جن کا قلب سلیم ہوتا ہے۔
باب ۳۹ : دعوت کی تخصیص اور اصطفا کی ماہیت۔ سہل بن عبداللہ کا قول کہ دعوت عام ہے مگر

اصطفاء خاص ہے۔ انبیائی خصوصیات (عصمت اور وحی)

باب ۷۰ : ذکر تفاوت المستمعین خطاب اللہ و درجاتہم فی قبول الخطاب۔ بعض لوگ خطاب الٰہی کو سنتے ہیں مگر نفسانیت کی وجہ سے اطاعت نہیں کر سکتے۔ بعض سنتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں۔ الراسخون فی العلم کی تفسیر۔

باب ۷۱ : تلاوت کے وقت قرآن کو توجہ سے سنا جائے تو معانی کا القا ہوتا ہے ابوسعید خراز رح نے قرآن کو سننے کے تین طریقے بیان کئے ہیں (۱) گویا پیغمبرؐ تمہیں سنا رہے ہیں (۲) گویا جبریل تمہیں سنا رہے ہیں (۳) گویا خدا تم سے مخاطب ہے۔

باب ۷۲ : اس طریقے کا بیان جس کی رو سے صوفیہ قرآن کو سمجھتے ہیں۔ بعض قرآنی آیات کی صوفیانہ تشریح۔ صوفیہ کے نزدیک ایمان میں زیادتی کی کوئی حد نہیں ہے۔

باب ۷۳ : سابقون، مقربین اور ابرار کا بیان۔ مصنف نے بعض قرآنی آیات سے استنباط کیا ہے کہ مقربوں کا درجہ سب سے اونچا ہے۔

باب ۷۴ : بیان التشدید فی القرآن و وجوہ ذلک۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کی صوفیانہ تشریح۔

باب ۷۵ : فہم حروف و اسمائے باری تعالیٰ کا بیان۔ جو کچھ علم و فہم کے حیطۂ اقتدار میں ہے قرآن کے دو لفظوں سے ماخوذ ہے (۱) بسم اللہ (۲) الحمد للہ فہم قرآن وجد و حال پر موقوف ہے۔

باب ۷۶ : استنباط معانی کے غلط اور صحیح طریقوں کا بیان۔ استنباط کی شرائط ثلاثہ ابوبکر الخطانی کا قول کہ جب تک قلب سلیم نہ ہو صحیح استنباط نہیں ہو سکتا۔

کتاب الاسوہ والاقتداء برسول اللہ صلعم

باب ۷۷ : فہم قرآن اور اقتداء رسولؐ کے سلسلے میں صوفیہ کا طریق عمل۔ آنحضرت صلعم ساری دنیا کے لئے رسول ہیں (۷-۱۵۷) اللہ ان سے بہت محبت کرتا ہے جو حضورؐ کی اتباع کرتے ہیں (۳-۲۹) اللہ نے تمام مخلوقات کو حضورؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے (۲۴-۵۳) حضورؐ سارے مومنوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں (۳۳-۲۱)

باب ۷۸ : وہ احادیث جن سے حضورؐ کے مکارم اخلاق کا اثبات ہوتا ہے۔ خوفِ خدا، عجز و انکسار زہد و تقویٰ، توکل، تبتل، جود و سخاوت۔ ام المومنین سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد کہ "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن"

باب ۷۹ : وہ احادیث جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر نعماء دنیوی کو مباح کر

دیباچہ (لا رھبانیۃ فی الاسلام)

باب ۵۰ : اتباع رسول صلعم کے بارے میں مشاہیر صوفیہ کے اقوال۔ سہل تستری اور سلیمان دارانی کا قول کہ جس وجد و حال کی تصدیق قرآن یا حدیث سے نہ ہو سکے وہ لائق اعتبار نہیں ہے۔

کتاب المستنبطات

باب ۵۱ : صوفیہ کا قرآن و حدیث سے استنباط کا طریقہ۔

باب ۵۲ : صوفیہ کا علوم اور احوال کی تشریح میں باہمی اختلاف اور اس کی نوعیت۔

باب ۵۳ : قرآن سے آنحضرت صلعم کی فضیلت پر صوفیہ کے استدلال کی نوعیت۔

تاویل حسب ذیل آیات قرآنی ۱۴ : ۵۳ — ۱۲ : ۱۰۸ — حضورؐ کا قول لبید کی تصویب فرمانا۔ حضورؐ حضرت ابراہیم سے افضل ہیں کیونکہ حبیب خلیل سے افضل ہوتا ہے۔

باب ۵۴ : ان احادیث کی صوفیانہ تاویل جن سے حضورؐ کا جمیع انبیا سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

باب ۵۵ : بعض احادیث کی صوفیانہ تاویلات

کتاب الصحابہ رضوان اللہ علیہم

باب ۵۶ : ذکر اصحاب رسول اللہ صلعم و معانیہم رضی اللہ عنہم۔ حضورؐ کی اس حدیث کی شرح "اَصْحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّهِم اِقْتَدَیْتُم اِهْتَدَیْتُمْ"

باب ۵۷ : ذکر ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ و تخصیصہ من بین اصحاب رسول اللہ صلعم بالاحوال التی تعلق بہا اہل الصفوۃ من ہذہ الامۃ و تخلق بذلک و اقتدیٰ بہ

باب ۵۸ : ذکر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ" فاروق اعظم رضؓ کے بارے میں حضورؐ نے یہ فرمایا کہ عمر رضؓ میری امت کے محدّثین (صاحبان کشف و الہام) میں سے ہیں۔ مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے حضرت ساریہ رضؓ سپہ سالار کو ہدایت دینا حالانکہ وہ اس وقت شام میں مصروف پیکار تھے۔ حضرت عمر رضؓ کے عہد خلافت کے بعض سچے واقعات۔ حضرت عمر رضؓ کے اقوال و ارشادات۔ وہ خصوصیات جن کی وجہ سے صوفیہ حضرت عمر رضؓ کو اپنے لئے کامل نمونہ قرار دیتے ہیں۔ متوکلوں کے بارے میں ان کا طرز عمل۔ اُنؓ کا ارشاد کہ عبادت چار چیزوں سے مرکب ہے (۱) ادائے فرائض اللہ تعالیٰ (۲) اجتناب محارم اللہ تعالیٰ (۳) الامر بالمعروف ابتغاء ثواب اللہ تعالیٰ (۴) النہی عن المنکر اتقاء غضب اللہ تعالیٰ

باب ۵۹ : ذکر حضرت عثمان ذی النورین رضؓ ان کی سب سے بڑی خصوصیت مقام تمکین ہے جس پر وہ تادم شہادت قائم رہے اور مقام تمکین بلند ترین روحانی مقامات سے ہے۔ ان کا ارشاد کہ خیر چار باتوں پر

مشتمل ہے (۱) التحبب الی اللہ تعالیٰ بالنوافل (۲) الصبر علی احکام اللہ تعالیٰ (۳) الرضا بتقدیر اللہ تعالیٰ (۴) الحیاء من نظر اللہ عزوجل۔ فقط

باب ۶۰ : ذکر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ ان کا قول کہ خیر چار باتوں پہ موقوف ہے (۱) الصمت (۲) النطق (۳) النظر (۴) الحرکۃ۔ تمام وہ صمت (خاموشی) جس میں فکر نہ ہو وہ سہو ہے اور تمام وہ نطق جس میں ذکر نہ ہو وہ لغو ہے اور ہر وہ نظر جس سے عبرت حاصل نہ ہو غفلت ہے اور ہر وہ حرکت جو اللہ کی عبادت کے علاوہ کی جائے فترت ہے۔

باب ۶۱ : ذکر اصحاب صفہ۔ آیات قرآنی جن میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب ۶۲ : دیگر صحابہ رضی کے حالات۔ حضرت طلحہ رضی، زبیر رضی، معاذ ابن جبل رضی، سلمان فارسی رضی، ابو عبیدہ ابن الجراح رضی، ابوذر غفاری رضی، عبداللہ ابن مسعود رضی، عبداللہ ابن عمر رضی، عبداللہ ابن عباس رضی، بلال رضی، مصعب بن عمیر رضی۔

کتاب اداب المتصوفہ

باب ۶۳ : ذکر آداب۔ تبصرۂ عمومی ادب کی اہمیت

باب ۶۴ : آدابہم فی الوضوء والطہارۃ۔ صوفیہ کے وضو اور طہارت کے آداب۔

باب ۶۵ : نمازوں میں ان کے آداب کا بیان۔

باب ۶۶ : زکوٰۃ اور صدقات میں اُن کے آداب کا بیان۔

باب ۶۷ : روزے میں اُن کے آداب کا بیان۔

باب ۶۸ : حج میں اُن کے آداب کا بیان۔

باب ۶۹ : ان کے آپس میں ملنے کے آداب کا بیان۔ سفر و حضر کے آداب کا بیان۔

باب ۷۰ : صحبت و ملاقات میں اُن کے آداب کا بیان۔

باب ۷۱ : صوفیانہ مسائل میں بحث و نظر (مناظرے) کے آداب

باب ۷۲ : بوقتِ طعام و ضیافت اُن کے آداب۔

باب ۷۳ : سماع کے آداب۔ وجد کے آداب۔ جنیدؒ کا قول کہ سماع کی تین شرطیں ہیں اخوان زمان اور مکان۔ اگر یہ تینوں جمع نہ ہوں تو سماع جائز نہیں ہے۔

باب ۷۴ : صوفیہ کے لباس پہننے کے آداب۔

باب ۷۵ : اُن کے سفر کرنے کے آداب۔

باب ۷۶ : دوسروں کے لئے اپنی عزت کو قربان کرنے، سوال کرنے اور دوستوں کی خدمت کرنے کے آداب

باب ۷۷ : دنیوی اشیا بطور تحفہ یا ہدیہ وصول کرنے کے آداب۔

باب ۷۸ : دادودستد باہمی اور غریب نوازی کے آداب۔

باب ۷۹ : ان صوفیہ کے آداب جو کسب معاش میں مشغول رہتے ہیں۔

باب ۸۰ : ان صوفیہ کے آداب جو نکاح کے بعد عائلی زندگی بسر کرتے ہیں۔

باب ۸۱ : ان کے خلوت اور جلوت کے آداب۔

باب ۸۲ : بوقت گرسنگی صوفیہ کے آداب۔

باب ۸۳ : بیماری کی حالت میں صوفیہ کے آداب۔

باب ۸۴ : مشائخ کے آداب اور مریدوں پر شفقت۔

باب ۸۵ : مریدوں کے آداب۔

باب ۸۶ : خلوت پسند صوفیہ کے آداب (ان صوفیہ کے آداب جو خلوت کو ترجیح دیتے ہیں)

باب ۸۷ : دوستی اور مودۃ کے آداب۔

باب ۸۸ : صوفیہ کے آداب بوقت مرگ۔

کتاب المسائل و اختلاف اقاویلھم فی الاجوبۃ

باب ۸۹ : کتاب المقالات والصدور والاشعار والدعوات والرسائل

اس باب میں حسب ذیل مسائل پر مختلف صوفیہ کے اختلاف علمی و نظریاتی کا بیان کیا گیا ہے۔

جمع، تفرقہ، فنا، بقا، صدق، اخلاص، ذکر، غنا، فقر، روح، اشارۃ، رزق، فراست، وہم، غیرت، ظرف، حقائق، عبودیت، علم، حقیقت، حق، انسانیت، وصول، مروت، سلامت الصدر، سابق، منقطع، ظالم، تمنی، سر النفس، اسرار، احوال قلب، اقسام بلاء، حب اور ود، بکاء، شاہد، خلوص فی العبادت، مرد کریم کی صفت یا ماہیت کرامت (فیاضی) فکر، تفکر، اعتبار، نیت کی ماہیت، ثواب کی ماہیت، شفقت علی الخلق کا مفہوم، تقیۃ (خشیۃ) اللہ کا مفہوم، سر (اصل النفس) کا مفہوم، حسین منصور الحلاج کی تشریح۔ آخر میں مصنفؒ نے اعتراف کیا ہے کہ صوفیہ نے جن جن مسائل سے بحث کی ہے ان کی پوری تفصیل درج نہیں کی جا سکتی۔ عمرو بن عثمان المکیؒ کا مقولہ "علم تصوف کا پہلا نصف سوالات اور دوسرا نصف جوابات ہے"

باب ۹۰ : صوفیہ کی مراسلت باہمی کا بیان۔ (بقیہ صفحہ ۸۰ پر دیکھئے)

افکار و آراء

(۱)

برائے توجہ زعمائے جمعیت علماء اسلام

ع "سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا"!

(میثاق بابت جون جولائی ۷۰ء کے "تذکرہ تبصرہ" میں جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے موازنے کے سلسلے میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا، اس پر ایک مخلص رفیق نے، جو خود بھی جماعت اسلامی کے سابق ارکان کے "بے جادہ و بے منزل" قافلے ہی سے تعلق رکھتے ہیں، ایک مفصل خط راقم الحروف کے نام تحریر فرمایا جس میں قدرے تلخی کے ساتھ شکوہ کیا کہ اس موازنے میں عدل و انصاف کے تقاضوں سے تجاوز ہوا ہے اور جانبداری برتی گئی ہے، ——— جواباً راقم نے انہیں تحریر کیا کہ میں آپکا "عتاب نامہ" "میثاق" میں شائع کر کے اس کا مفصل جواب دینا چاہتا ہوں لہٰذا آپ ذرا اپنے خط کی نوک پلک مزید سنوار دیں ——— اس کے جواب میں جو خط موصول ہوا وہ ان کی اس تصریح کے باوجود کہ "یہ خط بھی اشاعت کے لیے نہیں ہے"! درج ذیل کیا جا رہا ہے، تاکہ کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے زعماء اندازہ فرما سکیں کہ ان کا انداز گفتگو اور طرز تخاطب خود ان کے اپنے مقصد اور نصب العین کے لیے کس درجہ سود مند یا مضر ثابت ہو رہا ہے۔

یہ گواہی ہم دیئے دیتے ہیں کہ اس خط کے لکھنے والے ایک نہایت صالح اور دردمند مسلمان ہیں، جو کبھی جماعت اسلامی کے نہایت فعّال کارکنوں میں سے تھے لیکن اب اس کی پالیسی سے شدید اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ نہ صرف یہ کہ وہ اس کی رکنیت کو مدت عرصہ ہوا خیرباد کہہ چکے ہیں بلکہ موجودہ ہنگامی دور میں بھی جبکہ ایسے بہت سے لوگ جو جماعت اسلامی سے اختلاف کے باعث اس سے علیحدہ ہو گئے تھے وقت کا تقاضا سمجھ کر اس کے ساتھ دوبارہ عملاً تعاون کر رہے ہیں)۔

ان کی طبیعت جماعت سے تعاون پر قطعاً آمادہ نہیں ـــــــــ لہذا ان کی رائے ہرگز کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے، اور اس پر بہت ٹھنڈے دل سے غور کیا جانا چاہیئے !

ـــــــــ [اسرار احمد]

"برادر محترم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج اچھے ہوں گے ۔ عنایت نامہ ملا ۔ آپ نے جس خط کو "عتاب نامہ" سے تعبیر کیا ہے دراصل وہ اشاعت کے لیے نہیں تھا ۔ میرا مقصد تو صرف یہ تھا کہ آپ میرے جذبات سے آگاہ ہو جائیں ۔ مجھے آپ سے ایک گہرا قلبی تعلق ہے اور اسی تعلق کی بنا پر کچھ تلخ الفاظ بھی صفحۂ قرطاس پر آ گئے ہیں ۔ آپ اگر اس سے ناراض ہیں تو میں معافی چاہتا ہوں ۔

جمعیت علماء اسلام کے اکثر لوگوں سے میرے اب بھی مراسم ہیں ۔ ان سے کھلے دل سے ملتا ہوں اور جب کبھی موقع ملتا ہے ان کی حرکتوں پر تنقید بھی کرتا ہوں اور امکان بھر سمجھانے کی کوشش بھی کرتا ہوں ۔

کافی دن ہوئے مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب تشریف لائے تھے پریس کانفرنس ہونی تھی مجھے بھی بلایا گیا تھا، چنانچہ حاضر ہوا، پریس کا صرف ایک نمائندہ آیا تھا جس سے مولانا مصروف گفتگو تھے ۔ میں نے وہاں پر بیٹھے ہوئے چند مبلغین سے گفتگو شروع کی اور عرض کیا کہ آپ کے اکابرین خصوصاً مولانا ہزاروی صاحب نے جو انداز مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے متعلق اختیار کر رکھا ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے آپ کی جماعت کو فائدہ پہنچ رہا ہے، یا اسلام کی کوئی خدمت ہو رہی ہے ؟ پھر کیا آپ نے کبھی یہ بھی غور کیا کہ آپ کے کارکنوں کی سیرت کس انداز پر بن رہی ہے، اپنے کسی کارکن سے بات کر کے دیکھ لیجیئے وہ مودودی صاحب کا نام آتے ہی بھڑک جاتا ہے، میری پوری بات ان لوگوں نے سنی اور ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ آپ مفتی صاحب سے ملیں وہ جب تشریف لائیں گے تو آپ اُن سے یہ باتیں کہیئے گا ان سے کہنا بے کار ہے ۔ یعنی جمعیت علماء کے اپنے لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ غلام غوث صاحب کوئی بات سن کر نہیں دیتے ۔

مفتی محمود صاحب کو ایک خط بھیجا تھا ۔ جواب کے لیے جوابی لفافہ بھی ارسال کر دیا تھا مگر مفتی صاحب نے جواب کی زحمت نہ فرمائی اسی طرح مولانا یوسف بنوری صاحب کو ایک خط اسی سلسلے میں لکھا کہ ایک مسلک اور ایک مکتب فکر ہو کے دو گروہوں میں ایسی منافرت کہ ایک دوسرے کے خلاف اتہام، الزام، بہتان اور گالیوں کے تبادلے ہو رہے ہیں ۔ آخر آپ حضرات بیچ بچاؤ نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا وغیرہ وغیرہ

جوابی لفافہ کے باوجود مولانا نے بھی جواب کی زحمت نہ فرمائی۔

میثاق کے اداریے کو جمعیت علماء والوں نے بہت پسند کیا ہے۔ کئی صاحب میرے پاس آئے مگر یہ جو ہونے کے باوجود میں نے انہیں نہیں دیا۔ ایک صاحب جو مقرر ہیں عالم بھی ہیں وہ اداریہ پڑھ چکے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ کے متعلق جو باتیں آخر میں ڈاکٹر صاحب نے لکھی ہیں اور میں بھی عرض کرتا رہا ہوں درست ہیں یا نہیں۔ انہوں نے کہا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔

آجکل جمعیت علماء کی طرف سے کارنر میٹنگس (CORNER MEETINGS) ہو رہی ہیں۔ اس انتخابی مہم میں اسٹیج سے جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا آپ غالباً یقین نہیں کریں گے۔ جلسہ الیکشن کے لیے ہوتا ہے اور گالی مودودی صاحب کو دی جاتی ہے۔ مسخ جماعت اسلامی کا اڑایا جاتا ہے اور اس پر لطف کی بات یہ ہے کہ قومی اسمبلی کے لیے انہیں اب تک کوئی امیدوار نہیں ملا۔ مجھے ایک عالم دین جو جمعیت سے تعلق رکھتے ہیں فرمانے لگے تم ہی کسی آدمی کی نشاندہی کرو۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ جماعت کے ممبر ہوتے ہوئے اپنی جماعت میں کسی کو اہل نہیں سمجھتے تو میں تو باہر کا آدمی ہوں۔ ..... کی سیٹ سے کھڑا کرنے کے لیے ان حضرات کو کوئی آدمی ابھی تک نہیں مل سکا ہے۔ تبلیغی جماعت کے ایک صاحب کے پیچھے یہ حضرات تقریباً ایک ماہ سے لگے ہوئے تھے مگر انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا کہ یہ ہمارے مسلک کے خلاف ہے!

عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جمعیت علما سے کسی قسم کا بغض نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کا حریف ہوں۔ میرے اب بھی ان حضرات سے بہت اچھے تعلقات ہیں لیکن ان کی نجی مجلسوں اور جلوسوں میں جو ہوتا ہے میں اسے دین کے خلاف سمجھتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان پر مودودی صاحب کا بوس سوار ہے جو انہیں پاگل بنائے ہوئے ہے۔

پچھلے دنوں ہزاروی صاحب کانفرنس کر کے چلے گئے اور گالیوں کی فہرست میں کئی نئی گالیوں کا اضافہ کر گئے جسے نقل نہیں کر سکتا۔

اس کے فوراً بعد ہی ختم نبوت کانفرنس ہونے والی تھی۔ شہر میں مشہور ہو گیا کہ ایک گالی کانفرنس ختم ہو گئی دوسری گالی کانفرنس ہونے والی ہے۔ یہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ جب کانفرنس شروع ہوئی تو سٹیج سیکرٹری صاحب نے کہا کہ شہر میں یہ بات پھیلا دی گئی ہے کہ یہ گالی کانفرنس ہے یہ یقیناً جماعت اسلامی والوں نے پھیلائی ہے۔ اس کے بعد جماعت اسلامی پر بے بھاؤ کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔

علماء کا وقار اور احترام سر آنکھوں پہ مگر ان حرکتوں سے کیا یہ لوگ اپنا وقار نہیں کھو دیں گے ساتھ ہی دین کو نقصان نہیں پہنچے گا ؟

جمعیت کی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے حضرت مولانا درخواستی صاحب بھی تشریف لائے تھے، ایک دوست نے کہا کہ حضرت باغ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہیں چلو مل لیں۔ ہم پہنچا تو وہ وہاں سے یہ کہہ کر اٹھ رہے تھے کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے اب مجمع زیادہ ہو جائے گا۔ ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کا تعارف کرایا کہ یہ فلاں صاحب ہیں اور نشتر روڈ پہ رہتے ہیں۔ حضرت درخواستی ہنسنے لگے اور کہنے لگے نشتر ! ہم نے بھی ایک نشتر لگانے والا رکھ چھوڑا ہے وہ دیکھو نشتر لگا رہا ہے (اس وقت غلام غوث ہزاروی صاحب تقریر کر رہے تھے ؛)

بے شک پہلا خط قدرے تلخ تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ مجھے آپ کی تحریر میں جانبداری نظر آئی تھی جسے میں اس دعوت کے لیے انتہائی مضر سمجھتا ہوں جو آپ کے پیش نظر ہے۔ جمعیت علماء کے لیے بحیثیت مجموعی میرے دل میں جگہ بھی ہے اور ساتھ ہی ان سے میری طبیعت بیزار بھی ہے اگر یہ حضرات مخالفت کے انداز کو ترک کر دیں اور اختلاف کو ستھرے انداز میں پیش کریں، گالیاں نہ دیں اور ان لوگوں کی پشت پناہی نہ کریں جو کھل کر لادینیت کا پرچار کرتے ہیں تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن ان حضرات کے موجودہ طرز عمل سے الٹا اثر ہو رہا ہے اور میں ایسے متعدد آدمیوں کو جانتا ہوں جو حضرت غلام غوث ہزاروی صاحب کی تقریر سننے کے بعد جماعت اسلامی کے متفق بنے ہیں !

جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے میرے اس سے اختلاف کی شدت میں اضافہ ہی ہوا ہے کمی نہیں ہوئی، میری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ یہ حضرات اسلامی تحریک کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے کوئی دوسری تحریک بھی نہیں اٹھ سکتی اور نہ ہی اب یہ خود اپنی اصل ڈگر پہ واپس آ سکتے ہیں لہذا جب تک یہ بین بین کی پالیسی پر چل رہے ہیں اپنے ساتھ ملک و ملت کا بھی نقصان کر رہے ہیں یہ حضرات ایک خالص قومی اور سیاسی جماعت بن چکے ہیں مگر اسلامی جماعت کا لیبل بھی لگا رہا ہے۔ جماعت کے لوگوں سے میرے اچھے مراسم ہیں مجھے بھی تعاون کے لیے کہا گیا تھا۔ میں نے معذرت سے عرض کر دیا کہ حضرت اپنے سے اختلاف میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔ لہذا آپ کے ساتھ تعاون ممکن نہیں۔ ان حضرات سے میں نے یہ بھی عرض کیا کہ آپ اسلامی جماعتوں کے اتحاد پر زور دے رہے ہیں اور اسلام کی دہائی بھی دی جاتی ہے کیا اسلام کے لیے اپنے نفس کی قربانی نہیں دی جا سکتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مودودی صاحب کی متعدد تحریروں سے صرف دیوبندی ہی نہیں بریلوی، اہل حدیث بھی برہم ہیں، تمام متقدر علماء

ناراض ہیں۔ کیا اسلام کی خاطر ان تحریروں سے رجوع نہیں کیا جاسکتا یا علماء کا ایک بورڈ بنا دیا جاتا اور ان سے کہہ دیا جاتا کہ آپ کو جن تحریروں پہ اعتراض ہے وہ آپ حضرات بدل دیں، ماضی میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایسا کر چکے ہیں، انہوں نے قیامت تک کے لیے علماء کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ ان کی تحریروں میں جہاں بھی غلطی محسوس کریں بدل دیں۔ کیا اس سے ان کے وقار میں کمی آگئی ہے۔ کیا جھوٹے وقار کی خاطر امت کے عظیم مفاد کو قربان کیا جاسکتا ہے؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ سیاست میں اپنے کو پوری طرح جھونک دینے کے بعد بھی مقامی طور پہ آپ کو ایک آدمی بھی ایسا نہیں مل سکا جسے آپ قومی اسمبلی کے لیے امیدوار کھڑا کر سکیں، بدرجہ مجبوری کراچی سے درآمد کرنا پڑا ہے۔ ان کے کارکنوں کو اس بات کا احساس ہے مگر اقرار کیسے کریں۔

ان حضرات کے اسلامی اتحاد کا یہ عالم ہے کہ شوکت اسلام پر جلوس نکلا، واقعی بڑا جلوس تھا۔ بڑا جوش و خروش تھا مگر سٹیج سے بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی تھیں، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ "تحسبھم جمیعًا وقلوبھم شتّٰی" والا معاملہ ہے!

میرے نزدیک تمام دینی جماعتوں میں کچھ نہ کچھ حق موجود ہے۔ ان میں سے کوئی ایک جماعت بھی پوری کی پوری باطل پہ نہیں اور نہ ہی کوئی ایک جماعت پوری کی پوری حق پہ ہے۔ کاغذ کا دامن تنگ ہوگیا ہے لہٰذا اپنی بات ختم کرتا ہوں، یہ خط بھی اشاعت کے لیے نہیں ہے صرف وضاحت کے لیے ہے۔ اگر اس میں بھی کوئی بات آپ کے مزاج کے خلاف ہو تو معاف فرماویں۔ والسلام احقر...."

(۲)

"نقضِ غزل" کی تکمیل کی فرمائش

(اس موضوع پہ ہمیں متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں سے صرف ایک درج ذیل کیا جا رہا ہے!)

"..... اداریہ (تذکرہ و تبصرہ) میثاق جون جولائی ۷۰ء بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ بے حد مسرت ہوئی، دل سے دعائیں نکلیں۔ مفصّل لکھنے کے خیال سے دن ٹلتے گئے اس لیے آج مختصر خط ہی پہ اکتفا کر رہا ہوں ——— جس بات کے سمجھنے میں بڑے بڑے سقراطوں اور بقراطوں کو دشواری پیش آرہی تھی وہ آپ نے خوب سمجھی اور سمجھائی، اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں، آمین

اب خدا کے لیے "پیران تسمہ پا" سے نجات حاصل کر کے کچھ مزید کام کیجئے اور "نقضِ غزل" کا سلسلہ تو لازمی طور پر مکمل کیجئے۔

والسلام، احقر ارشاد علوی"

(ارشاد احمد علوی، بی اے، سابق رکن جماعت اسلامی رحیم یار خان)

(بقیہ: کتاب اللمع صفحہ ۷۴ سے آگے)

باب ۹۱ : فی الصدور الکتب والرسائل (صوفیہ نے تصوف کی کتابوں پر جو تعارفات یا مقدمے لکھے ہیں ان کا بیان)

باب ۹۲ : ان کی صوفیانہ اور عارفانہ شاعری۔

باب ۹۳ : صوفیہ کی مشہور اور مقبول مناجاتیں۔

باب ۹۴ : صوفیہ کی توصیتہ بایکدگر (نصیحتِ باہمی)

مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ

کی رعایتی پیشکش

درج ذیل چار عظیم اسلامی کتب جن کی مجموعی قیمت سات روپے بنتی ہے صرف پانچ روپے میں حاصل کیجئے

۱۔ **دعوات حق** : شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ اکوڑہ کے ۵ گرانقدر خطبات کا مجموعہ ۳ روپے

۲۔ **سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ**
شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ کی معرکۃ الآرا تصنیف ۲/۵۰ روپے

۳۔ **مواعظ حسنہ** : قطب زمان امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ الحدیث حضرت درخواستی مدظلہ کے دلکش مواعظ و نصائح کا شاندار مجموعہ قیمت عمدہ ۱/۰۰ قسم دوم ۷۰ پیسے

۴۔ **عصمت انبیاء و حرمت صحابہؓ** : علامۃ العصر حضرت مولانا محمد یوسف البنوری مدظلہ کراچی کا دورِ حاضر کے فتنے کا براہین و دلائل سے بھرپور جواب۔ قیمت اعلیٰ ۵۰ پیسے۔ عام قیمت ۳۰ پیسے

چاروں کتب علمی طباعت۔ خوبصورت کتابت و کاغذ پر شائع شدہ ہیں۔ ان کو یکمشت حاصل کرنے والوں کو دو روپے کی رعایت دی جائے گی یعنی بجائے سات روپے کے پانچ روپے قیمت (محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا)

مکتبہ حکمت اسلامیہ، نوشہرہ صدر (ضلع پشاور)

دارُالاشاعت الاسلامیہ لاہور

کا مقصد

عُلومِ قرآنی کی عُمومی نشرواشاعت

ہے : تاکہ

عوام کی توجّہات قرآن حکیم کی جانب مُنعطف ہوں، ذہنوں پر اُس کی عظمت کا
ش قائم ہو، دلوں میں اُس کی محبّت جاگزیں ہو ——— اور اس کی جانب ایک
م التفات پیدا ہو جائے۔

بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور اُن
ں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں
لہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشرواشاعت کیلئے وقف کر دیں،

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 17 | OCTOBER 1970 | No. 9-10

جماعت اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریک جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے ایم بی بی ایس

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

• ضخامت = ۲۳۶ صفحات • سائز بڑا • طباعت آفسٹ • مجلد مع گرد پوش

• قیمت = ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ

کرشن نگر لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ ۱ (فون 69522)

پبلشر : محی الدین ، طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس لاہور